موت کی آندھی
1/8/-

موت کی آندھی

جاسوسی دنیا سیریز نمبر ۱۲

ابنِ صفی

۱۹۵۳

پیش رس

مجھے خوشی ہے کہ اپنے وعدے کے مطابق "موت کی آندھی" کو خاص نمبر کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔ میں نے یہ ناول ایک چیلنج کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ چیلنج اُن کے لئے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اُردُو میں معیاری جاسوسی ناول لکھے ہی نہیں جاسکتے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ اُردُو کے ناول نویس صرف جن بھوت اور دوسری مافوق الفطرت چیزوں کے تذکرے سے تحیّر پیدا کرنا جانتے ہیں، میں ان کے سامنے اپنا یہ Science Fiction پیش کر رہا ہوں۔

اس میں ایک ایسی خوفناک آندھی کا تذکرہ ہے جسے مصر کے لوگ موت کی

آندھی کے نام سے پکارتے تھے اور مصر کے سائنسدان سائیکلون قرار دیتے تھے۔ لیکن وہ دراصل کیا تھی؟ اِس کا جواب ایشیا کے نامور سُراغ رساں انسپکٹر فریدی کی زبانی سنئے۔ ایک معمولی سے رومال کے لیے کئی قتل ہو گئے؟ کیوں؟ بارہ فٹ اونچے آدمی کون تھے جو ایک دیو پیکر پتھریلے کُتّے کے مُنہ سے نکل کر ساحل پر ٹہلا کرتے تھے۔ فریدی نے ایک ایسا ریڈیو سیٹ تیار کیا تھا جس میں مریخ کے باشندوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں؟ وہ ریڈیو کیسا تھا؟ اس کے انکشاف پر سارجنٹ حمید اپنی ہنسی نہیں روک سکا؟ بظاہر یہ باتیں لغو معلوم ہوتی ہیں لیکن اِس کتاب میں آپ کو اِن کا سائنسی اور منطقی جواز ملے گا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اُردُو میں آپ نے اِس قسم کا جاسوسی ناول آج تک نہ پڑھا ہو گا۔

اس بار سارجنٹ حمید بھی کافی چاق و چوبند نظر آتا ہے۔ اِس بار اس نے صرف باتیں ہی نہیں بنائی ہیں۔ صرف قہقہے ہی نہیں بکھیرے ہیں بلکہ سنجیدگی سے ٹھوس قسم کے کام بھی کیے ہیں میرا دعویٰ ہے کہ آپ میرے سابقہ ناولوں پر اِسے فوقیت دیئے بغیر نہ رہ سکیں گے۔

عجیب حادثے

اس وقت دلکشا ہوٹل کے عظیم الشّان ہال میں بے شمار آدمی قہقہوں مُسکراہٹوں اور سرگوشیوں کے طوفان میں بہے جا رہے تھے۔ سردی اپنے شباب پر تھی۔ حالانکہ ابھی صرف سات بجے تھے لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کافی رات گذر گئی ہو۔ ہال کے اسٹیج پر ایک مصری رقاصہ تھِرک رہی تھی۔ ناچ کوئی خاص نہ تھا۔ یوں ہی معمولی سا۔ رقاصہ بھی کُچھ زیادہ حسین نہ تھی۔ وہ ابھی حال ہی میں اس شہر میں وارد ہوئی تھی اور اس نے دو ماہ کے لیے دلکشا والوں سے کنٹریکٹ کر لیا تھا۔ وہ رہتی بھی وہیں تھی۔ دو خوبصورت اور کافی بڑے کمرے اُس نے

کرائے پر لے رکھے تھے۔ وہ ناچتی رہی آرکسٹرا کی مغموم موسیقی سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ کوئی المناک رقص ہے۔ بہر حال وہ اس طرف کے لوگوں کے لیے قطعی ناقابلِ فہم تھا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ تو محض اس کے گداز جسم کی نمائش میں دلچسپی لے رہے تھے۔ رقاصہ خوبصورت تو نہ تھی لیکن جوان ضرور تھی۔ اُس کا کھِلتا ہوا گندمی رنگ چند بے قرار بجلیوں پر چڑھا ہوا ایک غلاف معلوم ہوتا تھا اور دورانِ رقص میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے غلاف پھٹ جائے گا اور سارے اسٹیج پر بجلیاں کودنے لگیں گی۔ اس نے اس وقت سفید ساٹن کی چمکدار اور ڈھیلی ڈھالی شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائینچے ٹخنوں کے قریب پہنچ کر بالکل تنگ ہو گئے تھے۔ گلے میں ایک مختصر سی جیکٹ تھی جس پر چمکدار تاروں سے کشیدہ کاری کی گئی تھی جب وہ دائرہ بنا کر جھومتی ہوئی رقص کرتی تو کئی ٹھنڈی سانسیں لے کر کرسیوں کی پشت سے ٹک جاتے۔

اس پورے مجمع میں صرف ایک نوجوان بہت زیادہ پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے جدید طرز کا ایک نفیس اور قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا لیکن اس کی بے اطمینانی اور

بے چینی سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس قسم کے لباس کا عادی نہیں ہے۔ وہ اپنی ٹائی کی گرہ کو بار بار اس طرح چھونے لگتا تھا جیسے اس کی گردن میں درد ہو رہا ہو۔ وہ ایک چھوٹی سی میز پر تنہا بیٹھا تھا۔ سامنے بیر کی بوتل اور ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔

رقاصہ ناچتے ناچتے پردے کے پیچھے چلی گئی اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس نوجوان نے ماتھے پر سے پسینے کی بوندیں پونچھیں اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ بار بار اپنی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنے قریب بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی دیکھ لیتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد آرکسٹرا کی دُھنیں پھر گونجنے لگیں اور رقاصہ اس بار اپنے ہاتھ میں خنجر لیے گھنگھروؤں کی آواز فضا میں بکھیرتی ہوئی اسٹیج پر نمودار ہوئی اس بار اُس کے رقص میں غم انگیز اضمحلال کی بجائے ایک وحشیانہ پھُرتی اور موسیقی خیز جنگلی پن تھا۔ طبلے کی تھاپ پر اُس کے سارے جسم میں عجیب قسم کی جھٹکے دار لرزش پیدا ہو جاتی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ ناچ ناچ کر اپنے خیالی دُشمنوں

کے سینوں پر پوری قوّت سے وار کر رہی ہو۔ مُضطرب نوجوان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ میز پر کہنیاں ٹیک کر آگے کی طرف گیا۔ اُس کے ماتھے پر پھر ننّھی ننّھی بوندیں پھوٹ آئیں تھیں۔ وقت گذرتا جارہا تھا۔ ہال آہستہ آہستہ خالی ہونے لگا۔ گیارہ بجے تک بہت تھوڑے آدمی رہ گئے۔ وہ نوجوان ابھی تک وہیں بیٹھا تھا۔

پھر رقص ختم ہو گیا۔ آرکسٹرا کی دُھنیں خاموشیوں میں کھو گئیں۔ رقاصہ اوپری منزل میں اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اُس کی وہاں سے آنے کے بعد وہ نوجوان بھی لڑکھڑاتا ہوا زینے طے کر رہا تھا۔ اس کی یہ لڑکھڑاہٹ نشہ سے زیادہ گھبراہٹ اور بے چینی کا نتیجہ تھی۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے۔

رقاصہ کا نام حسینہ تھا اپنے کمرے میں آکر قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش کھڑی رہی پھر اُس نے میز کی دراز سے ایک شیشی نکالی ایک گلاس میں پانی لیا اور شیشی سے کوئی سیال شے پانی میں انڈیل کر پی گئی۔۔۔

چند لمحوں کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا جیسے اُس کی آنکھیں نشے سے بوجھل ہوئی جارہی ہوں۔۔۔ وہ پھر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنا جیکٹ اتار پھینکا۔ بال بکھیر دیے وہ نیم عریاں حالت میں وحشیانہ قہقہے لگا رہی تھی۔۔۔ آئینے میں دیکھ دیکھ کر وہ بُرے بُرے مُنہ بناتی رہی۔۔۔ پھر اُس نے چند سِکّے مُٹھّی میں دبا کر ہوا میں اچھالے اور فرش پر دوزانو بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگی۔۔۔ ''سب پٹ'' وہ بڑبڑائی۔ ''ایک بھی چت نہیں۔۔۔ تو ابھی وقت نہیں آیا۔ خیر میں انتظار کروں گی۔''

پھر وہ تھوڑی دیر تک بیٹھی جھومتی رہی۔ پھر اُس نے اپنی شلوار کے نیفے میں اُڑسا ہوا ایک سفید رومال نکالا اور اُسے بوسہ دے کر کہنے لگی

''اے مقدس امانت میں نے ابھی تک تیری حفاظت کی ہے۔ میں وادی نیل کی بیٹی انتقام لے کر رہوں گی۔۔۔ وہ خون جو سمندر کی ریت پر بہایا گیا۔۔۔ وہ خون جس کا ایک قطرہ میں بھی ہوں۔۔۔ وہ خون اپنا قصاص چاہتا ہے۔''

اس کی آواز رفتہ رفتہ دردناک ہوتی جارہی تھی۔

”وہ خون مُجھے پکار رہا ہے۔۔۔ خونِ ناحق۔۔۔ میں کتنا روئی تھی۔۔۔ میں نے ذلّت کی زندگی اختیار کی۔۔۔ مُجھے عصمت فروشی پر مجبور ہونا پڑا۔۔۔ کاش جلد ہی وہ موقع آجاتا کہ میں آگ کے قریب اس مقدّس امانت کو لے جاتی۔۔۔ ہیہات۔۔۔ میری روح بے دین ہے انتقام انتقام۔۔۔!“

وہ گھبرایا ہوا نوجوان دبے پاؤں اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا۔۔۔ وہ اتنی آہستگی سے رقاصہ کے پیچھے پہنچ گیا کہ اُسے خبر تک نہ ہوئی لیکن نوجوان پر لرزہ طاری تھا اُس نے ایک ہاتھ سے تو رقاصہ کا رومال چھینا اور دوسرے ہاتھ سے اس پر خنجر کا وار کیا۔۔۔ رقاصہ چیخ کر پلٹی لیکن وہ دوسرے لمحے میں کمرے سے باہر تھا۔

”میرا رومال۔۔۔!“ رقاصہ چیخی وہ خوف زدہ نظروں سے سامنے پڑے ہوئے خنجر کو دیکھ رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اجنبی کا وار خالی گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک سکتے

کے عالم میں بیٹھی رہی پھر اچانک چیختی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ نیم برہنہ حالت میں پورے ہال میں چیختی پھر رہی تھی۔ ”میرا رومال۔۔۔ میرا رومال۔“

لوگ کرسیوں سے اُٹھ اُٹھ کر اس کے گرد اکٹھا ہونے لگے۔

”شائد کافی چڑھ گئی ہے۔“ ایک آدمی ہنس کر بولا۔

”معلوم یہی ہوتا ہے۔“ دوسرے نے کہا۔ دفعتاً باہر فٹ پاتھ پر پستول چلنے کی آواز سُنائی دی۔۔۔ اور پھر ایک چیخ۔۔۔ لوگ رقاصہ کو چھوڑ کر اُس کی طرف متوجّہ ہو گئے۔ فٹ پاتھ پر بھیڑ لگ گئی تھی۔ وہی نوجوان جو رقاصہ کا رومال لے کر بھاگا تھا خون میں لتھڑا پڑا تھا۔۔۔ رقاصہ بھی بھیڑ کو چیرتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

”یہی تھا۔۔۔ یہی تھا۔“ وہ چیخی۔ ”مگر میرا رومال۔“

”اوہ تم اسی حالت میں یہاں بھی چلی آئیں۔“ ہوٹل کے منیجر نے کہا اور اس کا

ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا اندر لے جانے لگا۔۔۔ وہ برابر چیخے جا رہی تھی۔ ”میر ارومال میر ارومال۔“ منیجر نے اسے اس کے کمرے میں لے جا کر بند کر دیا۔

باہر فٹ پاتھ پر بھیڑ بڑھتی جا رہی تھی۔ زخمی نوجوان گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ گولی سینے پر لگی تھی۔ قبل اس کے کہ اُسے ہسپتال لے جانے کا انتظام کیا جاتا زخمی نے دم توڑ دیا۔

سڑک کی ڈیوٹی والے دو تین کانسٹیبل بھی وہاں آ گئے تھے۔ ان میں سے ایک کوتوالی فون کرنے چلا گیا اور بقیہ کانسٹیبل لاش کے قریب سے بھیڑ ہٹانے لگے۔

تھوڑی دیر بعد پولیس آ گئی۔ کوتوالی انچارج انسپکٹر جگدیش کار سے اُترا۔ لوگ لاش کے پاس سے ہٹ گئے۔

راہ گیروں نے واقعات بتانے شروع کئے اور پھر کسی نے نیم برہنہ رقاصہ کا بھی حوالہ دیا۔

جگدیش لاش کو دو سب انسپکٹروں کی حفاظت میں چھوڑ کر ہوٹل کے منیجر کے

پاس آیا۔ ”جی ہاں۔۔۔ بٹلر کا بیان ہے کہ وہ یہیں سے نکلا تھا۔“ ہوٹل کے منیجر نے جگدیش سے کہا۔

”اور وہ عورت۔۔۔!“ جگدیش نے پوچھا۔

”وہ شاید زیادہ پی گئی ہے۔“ منیجر نے کہا۔ ”میں نے اُسے اُس کے کمرے میں بند کر دیا ہے۔“

”کیا اس سے پہلے بھی وہ کبھی اس حالت میں باہر نکل آئی تھی۔“ جگدیش نے پوچھا۔

”کبھی نہیں۔“ منیجر نے جواب دیا۔

”ہوں۔" جگدیش نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

وہ منیجر کے ساتھ مصری رقاصہ کے کمرے میں پہنچا۔۔۔ وہ نیم برہنگی کے عالم میں زمیں پر چِت پڑی تھی۔ غالباً وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ جگدیش نے جسم پر چادر ڈال دی اور پھر اُس کی نگاہیں۔

کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ زمین پر کُچھ پیسے پڑے ہوئے تھے قریب ہی ایک چمکدار خنجر اور ایک خالی شیشی پڑی تھی۔ جگدیش نے شیشی کو رومال سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے اپنی ناک کے قریب لے گیا۔

"بروما ئیڈ۔۔۔!" وہ شیشی کا لیبل پڑھتا ہوا بولا۔ "تو اس نے برومائیڈ پیا ہے۔"

پھر وہ منیجر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔

"کیا آپ جانتے تھے کہ وہ برومائیڈ استعمال کرتی تھی۔"

"بھلا میں اس کے متعلّق کیا جان سکتا تھا۔" منیجر نے کہا۔

"یہ یہاں کتنے دِنوں سے مقیم ہے۔"

"ایک ہفتہ سے۔"

"اس دوران میں اس سے قبل بھی اس کا کوئی رویّہ مشکوک نظر آیا تھا۔" جگدیش نے کہا۔

"اس کے متعلّق میں کُچھ زیادہ نہیں جانتا۔" منیجر نے کہا۔

"وہ آدمی کبھی اس کے ساتھ دِکھائی دیا تھا جس کی لاش آپ ابھی دیکھ چکے ہیں۔" جگدیش نے پوچھا۔

"مُجھے افسوس ہے کہ اس کے متعلّق میری معلومات محدود ہیں۔" منیجر نے کہا۔
"لیکن ٹھہریے میں اُس ویٹر کو بلاتا ہوں جو اِن کمروں پر مامور ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ویٹر آ گیا۔

"تمہارا نام۔۔۔!" جگدیش نے ویٹر کی طرف کڑی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"نسیم۔۔۔!"

"یہاں کب سے کام کرتے ہو۔"

"تقریباً ایک سال سے۔"

"تم نے اُس آدمی کی لاش دیکھی۔"

”جی ہاں۔“

”کیا وہ یہاں کا مُستقل گاہک تھا۔“

”جی نہیں۔ میں نے اُسے آج پہلے پہل یہاں دیکھا تھا۔“

”یہ تم نے کیسے کہا۔ مُمکن ہے وہ اس سے پہلے بھی یہاں آیا ہو۔“ جگدیش نے کہا۔

”ہو سکتا ہے لیکن میں نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔“

”یہ تُم وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہو، یہ ایک بڑا ہوٹل ہے۔ دِن بھر میں سینکڑوں آدمی یہاں آتے ہوں گے کیا تم اُن میں سے کسی کو ایک بار یہاں دیکھ کر پھر کسی موقع پر یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ یہاں اس سے پہلے بھی آچکا ہے۔“

”جی نہیں۔۔۔ یہ ایک بہت مُشکل کام ہے۔“ ویٹر نے کہا۔

”پھر آخر اس آدمی کے سِلسلے میں تم اتنے وثوق کے ساتھ کیوں کہہ رہے ہو۔“

جگدیش نے پوچھا۔

”صاحب بات دراصل یہ ہے کہ میں عرصہ دراز سے ہوٹلوں میں ویٹری کر رہا ہوں۔ میری اتنی عمر آئی میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو بیئر میں سوڈا ملا کر پیتا ہو۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“ جگدیش نے چونک کر پوچھا۔

”وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا اور اس کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی بڑے ہوٹل میں قدم رکھا ہو۔“ ویٹر نے کہا۔

”اوہ۔۔۔!“ جگدیش نے اُس کی طرف متحیّرانہ نظروں سے دیکھا۔

”میں ہی اس کی میز پر تھا۔“ ویٹر نے کہا۔ "اُس نے ہکلا ہکلا کر بیئر اور سوڈے کا آرڈر دیا تھا۔۔۔ اندازِ گفتگو سے بھی وہ کوئی پڑھا لکھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔“

”کیا تم نے کبھی اُسے اس کے ساتھ دیکھا تھا۔“ جگدیش نے بے ہوش رقاصہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”جی نہیں۔“

”کبھی وہ یہاں اس کے کمرے میں بھی دکھائی دیا تھا۔“

”جی نہیں۔“

”ہوں۔۔۔!“ جگدیش کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اس رقاصہ کے بارے میں تم کیا جانتے ہو۔“

ویٹر اُس کی طرف اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ اس کے سوال کو سمجھا نہ ہو۔

”کیا تم انہیں کمروں کی دیکھ بھال پر مامور تھے۔“

”جی ہاں۔“

”یہاں ان کمروں میں کوئی اُس سے ملنے آتا تھا۔“

”بہتیرے آتے تھے لیکن یہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔“

”اس کی کوئی ایسی حرکت جو تمہاری نظروں میں مشکوک ہو۔“ جگدیش نے اُس

کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

ویٹر کُچھ سوچنے لگا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی چیز کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو۔

"حالانکہ یہ ایک ویٹر کے لئے بہت ہی معیوب اور قابل اعتراض بات ہے۔" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولا۔ "لیکن میں بعض اوقات اس سے کمرے میں۔۔۔!"

ویٹر نے رُک کر منیجر کی طرف گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"کہو کہو۔۔۔رُک کیوں گئے؟" منیجر بولا۔

"بہتر یہ ہے کہ آپ اسے تنہائی میں مُجھ سے گفتگو کرنے کا موقع دیں۔" جگدیش نے منیجر سے انگریزی میں کہا۔ "ممکن ہے کہ میں ابھی پھر آپ کو تکلیف دوں۔"

"بہتر ہے۔" منیجر نے کہا اور نیچے چلا گیا۔

”ہاں اب کہو۔“ جگدیش نے ویٹر سے نرم لہجے میں کہا۔

”منیجر صاحب کے سامنے میری زبان رُک گئی تھی اور یہ قدرتی بات ہے۔ بھلا میں یہ کیسے کہہ سکتا تھا کہ میں کرایہ داروں کے کمروں میں جھانکا کرتا ہوں۔“ ویٹر نے کہا۔

”خیر خیر آگے کہو۔“ جگدیش بے چینی سے بولا۔

”بعض اوقات وہ ایسی حرکتیں کرتی تھی کہ میں اُس کے کمرے میں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ وہ روزرات کو ’ناچ‘ کے بعد اپنے کمرے میں آکر کوئی چیز پیتی تھی پھر وہ بالکل برہنہ ہو جاتی تھی یا صرف شلوار پہنے رہتی تھی۔ اس کے بعد وہ کُچھ پیسے ہوا میں اچھّال کر زمین پر بیٹھ جاتی تھی اور پھر ایک رومال نکال کر کُچھ دیر اُسے چومتی چاٹتی رہتی تھی اور ساتھ ہی ساتھ کُچھ بڑبڑایا بھی کرتی تھی۔ اکثر پاگلوں کی طرح قہقہے لگا کر اپنا جسم نوچنے لگتی تھی۔“

ویٹر خاموش ہو گیا۔

"کیا وہ اس حالت میں کبھی خنجر بھی نکالا کرتی تھی؟" جگدیش نے پوچھا۔

"مُجھے تو کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں۔" ویٹر نے کہا۔

"اچھّا اب تم جا سکتے ہو۔" جگدیش نے ویٹر سے کہا اور پھر اپنے قریب کھڑے ہوئے سب انسپکٹر سے کہا۔ "عجیب معاملہ ہے۔۔۔ رومال کا تذکرہ اس نے بھی کیا ہے اور رومال رومال چیختی ہوئی وہ بھی اپنے کمرے سے نکل کر بھاگی تھی۔ تو کیا وہ دراصل اس کا رومال چھین کر بھاگا تھا۔ اوّل تو یہی چیز مضحکہ خیز ہے کہ وہ بیئر میں سوڈا ملا کر پی رہا تھا دوسرے یہ کہ وہ اس کا رومال چھین کر بھاگا اور پھر کسی نے اُسے قتل بھی کر دیا بھئی میرے تو کُچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"معاملہ واقعی عجیب ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"اچھّا تم یہیں کمرے میں ٹھہرو۔ یہاں کی کوئی چیز اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے اور اگر اس دوران میں یہ ہوش میں آ جائے تو اسے یہیں روکے رکھنا۔" جگدیش سب انسپکٹر کو ہدایات دے کر نیچے چلا گیا۔

سب انسپکٹر حیرت سے کمرے میں پھیلی ہوئی چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کی نگاہیں بے ہوش رقاصہ کے جوان چہرے پر جم گئیں۔ دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے برابر والے کمرے میں کوئی عورت چیخ رہی ہو۔ "مُجھے چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ ورنہ میں زور سے چیخ دوں گی۔"

پھر ایسا معلوم ہوا جیسے دو آدمی ہاتھا پائی کر رہے ہوں۔ عورت کی آواز پھر سُنائی دی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کی آواز اس طرح گھٹ کر رہ گئی جیسے کسی نے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

سب انسپکٹر جھپٹ کر کمرے سے باہر نکلا لیکن آواز کدھر سے آئی۔۔۔ کیونکہ برابر والے دونوں کمرے باہر سے مقفّل تھے۔ وہ آگے بڑھتا چلا گیا۔۔۔ پورا برآمدہ سنسان تھا۔ کمروں کے رہنے والے شاید قتل کے حادثے کے متعلّق معلومات بہم پہنچانے کے لئے نیچے چلے گئے۔ سب انسپکٹر لوٹنے ہی والا تھا کہ اُسے ایک عورت کی تیز چیخ سُنائی دی۔ یہ آواز اُسی رقاصہ کے کمرے سے آئی تھی۔ سب انسپکٹر دوڑتا ہوا کمرے میں آیا اور پھر اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ ہی

خنجر وہ جسے زمین پر چھوڑ گیا تھا رقاصہ کے سینے میں پیوست تھا اور وہ تڑپ رہی تھی۔ اس نے دو تین بار آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھا اور پھر گردنِ ایک طرف ڈال دی۔۔۔ وہ مر چکی تھی۔۔۔ سب انسپکٹر دوڑتا نیچے گیا۔

انسپکٹر جگدیش بوکھلا گیا۔۔۔ وہ سب انسپکٹر پر برس پڑا۔ آخر وہ اُسے چھوڑ کر باہر گیا ہی کیوں تھا۔ اُس نے ہوٹل کے سارے دروازے بند کرا دیے اور ایک ایک کونہ چھان مارا لیکن کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا جسے شک کی بناء پر گرفتار کیا جا سکتا۔ اوپر کے کمروں میں اُس رقاصہ کے علاوہ کوئی دوسری عورت تھی ہی نہیں۔۔۔ پھر آواز کہاں سے آئی تھی۔ جگدیش کو اختلاج سا ہونے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔۔۔ آخر کار اُس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہ گیا کہ ایشیا کے جوان سال اور مشہور جاسوس انسپکٹر فریدی کو فون کرے۔ لیکن اس وقت ایک بج رہا تھا۔۔۔ کیا فریدی اپنا آرام چھوڑ کر اس وقت چلا آئے گا۔ اس نے سوچا۔۔۔ لیکن پھر کرتا ہی کیا۔۔۔ اُس نے فریدی کو فون کر دیا۔

سر بنتھال

صُبح کے سات بجے تھے۔ سردی شدید تھی۔ انسپکٹر فریدی اپنے کمرے میں آتشدان کے پاس بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ پچھلی رات وہ سونے ہی جارہا تھا کہ اسے ٹیلی فون پر جگدیش کا پیغام ملا تھا اور پھر اس نے باقی رات دلکشا ہوٹل ہی میں گذار دی۔ اس کے لیے یہ پہلا موقع نہ تھا کہ جائے واردات پر وہ کسی خاص نتیجے پر پہنچ سکا تھا۔ حالات کی پیچیدگی اور انوکھے پن کی وجہ سے اُس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ یہ چیز اُس کے لیے بہت ہی عجیب تھی کہ ایک رومال کے سِلسلے میں دو قتل ہو گئے اور پھر اُس مِصری رقاصہ کا عجیب و غریب رویّہ؟ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا

تھا کہ تفتیش کا رُخ کدھر موڑے۔ کیس حد درجہ دلچسپ تھا۔

حمید ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔ وہ رات ہی سے غائب تھا۔ ادھر کُچھ دِنوں سے اُس کا کُچھ عجب حال تھا۔ وہ کافی رات گئے واپس آیا کرتا تھا اور کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ صُبح ہی کو اس کی صورت دکھائی دیتی۔ فریدی کا خیال تھا کہ شاید اس دوران میں اس کی رگ معاشقہ پھر پھڑکنے لگی ہے۔ اس نے کئی بار اُس سے اِس آوارگی کی وجہ بھی پوچھی لیکن اُس نے کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ اس وقت فریدی سوچ رہا تھا کہ اگر حمید اُس کے ساتھ ہوتا کل رات ہی کو کسی نہ کسی طرح وہ معاملے کی تہہ تک ضرور پہنچ جاتا کیونکہ بعض اوقات اس کی احمقانہ حرکتیں اُسے کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتی تھیں۔

وہ آتش دان کے سامنے بیٹھا اونگھتا رہا۔ اس دوران میں نوکر نے آکر آگ میں کُچھ اور ایندھن ڈالا اور چلا گیا لیکن اُسے خبر تک نہ ہوئی۔ وہ صرف سوچ رہا تھا اور اس سوچ نے اُسے اپنے گرد و پیش کی فضا سے بالکل بے نیاز کر دیا تھا۔ دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور حمید مُسکراتا ہوا کمرے میں داخل

ہوا۔ فریدی اب بھی اُسی طرح اونگھ رہا تھا حمید اُس کے قریب گیا اور جھک کر اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ اور حمید بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ فریدی کی آنکھیں سُرخ تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دو دہکتے ہوئے انگارے ہوں۔

"اِدھر آؤ۔۔۔؟" فریدی تحکمانہ لہجے میں بولا۔ "کرسی اِدھر کھینچ لاؤ۔"

حمید کرسی کھینچ کر خاموشی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"کہاں تھے۔"

"کہیں نہیں۔۔۔ یونہی ذرا۔۔۔"

"یونہی ذرا۔" فریدی نے گھور کر کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔"

"کیا آج موڈ کچھ خراب ہے۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

"جو میں پوچھ رہا ہوں اُس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

”اگر میں جواب دینے سے صاف انکار کر دوں تو۔“

”میں فضول بکواس نہیں پسند کرتا۔“ فریدی نے جھنجھلا کر کہا۔

”تو اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ رفتہ رفتہ اس کے بھی عادی ہو جائیں گے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی اُسے گھورتا رہا۔

”مُجھے افسوس ہے کہ میں رات آپ کے ساتھ نہ تھا۔“ حمید نے کہا۔

”تو تمہیں اس کی اطلاع ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”اچھّی طرح۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا آپ نے آج کا اخبار ابھی تک نہیں دیکھا۔“

”نہیں ابھی نہیں۔“

”خبر میں یہ بھی ہے کہ انسپکٹر فریدی اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔“

”میں تو عاجز آگیا ہوں ان اخبار نویسوں سے۔“ فریدی نے کہا۔

"آپ کو یہ سن کر تعجّب ہو گا کہ میں بھی رومالوں کے چکّر میں پھنسا ہوا ہوں۔"

حمید بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔!" فریدی نے چونک کر کہا۔ "تم رات تھے کہاں؟"

"ہائی سر کل نائٹ کلب میں۔۔۔!" حمید نے جواب دیا۔

"مگر وہ رومالوں کا چکّر کیسا۔۔۔!" فریدی نے پوچھا۔

"وہی بتانے جا رہا تھا۔" حمید بولا۔ "میں چار دِن سے ایک ایسے آدمی کے پیچھے لگا ہوں جو عورتوں کے رومال چرایا کرتا ہے اور آپ کو یہ سُن کر حیرت ہو گی کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں لیکن وہ ایک معمولی چور یا جیب کترے کی طرح فیشن ایبل عورتوں کے دستی رومال اڑا لیا کرتا ہے۔"

"آخر وہ ہے کون۔۔۔؟" فریدی نے دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معزّز انگریز سر بنتھال ہیور تھ۔۔۔!"

”سر بنتھال۔۔۔ سر بنتھال۔۔۔!“ فریدی کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چہرے پر دبی ہوئی بے چینی کے آثار تھے۔

”سر بنتھال۔۔۔!“ فریدی نے ایک بار پھر دہرایا اور حمید سے پلٹ کر بولا۔ ”تم نے کب اُسے رومال چراتے دیکھا تھا؟“

”کہہ تو رہا ہوں کہ کئی دِنوں سے۔ اُس نے کلب ہی میں درجنوں عورتوں کے رومال چرائے ہوں گے۔“

”اور تم برابر اُس کا پیچھا کرتے رہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”یہ ایک قدرتی امر تھا۔ کسی بڑے آدمی کو اتنی ذلیل حرکت کرتے دیکھ کر یقیناً حیرت ہوئی اور پھر رومال کی حیثیت ہی کیا۔۔۔ ایک خطاب یافتہ امیر آدمی اگر ایسی حرکتیں کرنے لگے تو خواہ مخواہ اُس کی وجہ دریافت کرنے کو دِل چاہے گا۔ لیکن مُجھے افسوس ہے کہ میں اس کی وجہ نہ دریافت کر سکا۔“

”کل رات بھی تم اُس کے پیچھے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔!“

”کس وقت تک۔“

”وہ دو بجے تک۔۔۔!“ حمید بولا۔ ”وہ تقریباً دو بجے کلب سے اُٹھ کر گیا تھا۔“

”وہ اس وقت تک وہاں کرتا کیا رہا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”برج کھیل رہا تھا۔۔۔ لیکن کل رات کو اس نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا حالانکہ اُسے اس کے بہت سے مواقع نصیب ہوئے۔“

”وہ کلب میں کس وقت سے تھا۔“

”نو بجے سے۔“

”اور اس دوران میں وہ کہیں باہر نہیں گیا۔“

”نہیں۔۔۔!“

فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ وہ مُضطربانہ انداز میں کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم جانتے ہو سر بنتھال کون ہے؟" فریدی نے دفعتاً پلٹ کر حمید سے پوچھا۔

"میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک خطاب یافتہ آدمی ہے اور بغرض سیاحی یہاں آیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"اس نے مصری آثار قدیمہ پر ایک کتاب بھی لکھی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لکھی ہو گی۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "مُجھے تو اس کی اس عجیب و غریب حرکت سے دلچسپی ہے۔"

"اور وہ صحیح النسل انگریز بھی نہیں۔۔۔ وہ دراصل جرمن ہے اُسے اپنے نانا کا خطاب مع جائیداد ورثے میں ملا ہے اس کا نانا انگریز تھا۔"

"تو کیا وہ صحیح النسل انگریز نہ ہونے کی بنا پر رومال چراتا ہے؟" حمید نے ہنس کر پوچھا۔

"یہ بات اتنی اہم نہیں ہے جتنی کہ اس کی مصری آثار قدیمہ والی کتاب۔"

”بھلا ان دونوں میں کیا ربط؟“

”وہی ربط جو ایک مصری رقاصہ کے رومال اور اس رومال چرانے والے میں ہو سکتا ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ حمید اچھل کر بولا۔ ”تو آپ اتنی دور پہنچ گئے۔ میں کہتا ہوں کہ اس شہر میں اچانک رومال بازی کیوں شروع ہو گئی۔“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر کچھ سوچنے لگا تھا۔

”رومال کا واقعہ محض مضحکہ خیز یا نشے کی جھک نہیں معلوم ہوتا۔“ فریدی بڑبڑایا۔ "اس کی اہمیت کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔“

”اہمیت ہو یا نہ ہو لیکن بیچارے سارجنٹ کی شامت ضرور ہے۔“ حمید بولا۔

”میں جانتا ہوں۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”اگر وہ عورتوں کے رومال نہ چراتا ہوتا شاید تم اُس کی طرف دھیان نہ دیتے۔ ہے نا یہی بات۔“

"حضور والا سو فیصدی یہی۔۔۔ مُجھے دراصل یہی چیز اتنی راتوں تک جگاتی رہی کہ آخر وہ صرف عورتوں ہی کے رومال کیوں چراتا ہے۔"

"لیکن تمہاری اس حماقت نے مُجھے ایک راستہ دکھا دیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"اور یہ بھی واضح رہے کہ اب میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اس راستے پر چلنے کی سکت مُجھ میں نہیں۔"

"خیر آج رات کو کلب تک تو مُجھے لے ہی چلو گے۔" فریدی نے کہا۔

"آ گئی مُصیبت۔۔۔!"

"کل تک مُصیبت نہیں تھی۔" فریدی نے کہا۔ "خود سے ساری ساری رات مارے پھرو اگر میرا ساتھ ہو گیا تو جان نکلنے لگتی ہے۔"

"خیر فی الحال تو بھوک لگ رہی ہے۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔ فریدی بھی بر آمدے میں آ گیا۔ شیو وغیرہ کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چلا گیا۔

آفس میں پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ملی۔ حسینہ کی موت برومائیڈ کی زیادہ مقدار پی جانے کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اور مقتول نوجوان کا معاملہ تو ظاہر تھا۔ وہ دو بجے کے قریب جگدیش نے فریدی کو فون پر بتایا کہ وہ نوجوان ایک اَن پڑھ تھا۔ اُس کے ساتھیوں سے استفسار پر معلوم ہوا تھا کہ حادثے کی شام کو ایک اچھّی حیثیت کا آدمی اُسے اس کے مکان سے بُلا کر لے گیا تھا۔ لیکن وہ اُس کا حلیہ نہیں بتا سکے۔

فریدی نے اس نئی اطلاع پر کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا اندازہ تو اُس نے ویٹر کے بیان ہی سے لگا لیا تھا کہ مقتول ایک اناڑی آدمی تھا اور خاص مقصد کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

اس مقصد کے حصول پر اُسے اس لیے قتل کر دیا گیا کہ کہیں اصل مجرم یا مجرموں کا راز فاش نہ ہو جائے۔۔۔ حسینہ کا قتل بھی اسی سِلسلے کی ایک کڑی معلوم ہوتا تھا۔۔۔ اُسے تو دراصل اُس رومال نے اُلجھا رکھا تھا جس کی وجہ سے دو جانیں چلی گئیں۔۔۔ آخر وہ رومال کیسا تھا۔

فریدی دِن بھر اسی گتھّی کو سُلجھانے میں مشغول رہا۔

شام کو تقریباً سات بجے وہ حمید کو لے کر گھر سے نکلا۔ نو بجے تک دونوں اِدھر اُدھر گھومتے رہے پھر انہوں نے ہائی سرکل نائٹ کلب کارخ کیا۔ اس کلب میں زیادہ تر اُونچے طبقے کے لوگ آتے تھے۔ ان میں سرکاری افسروں سے لے کر تاجر تک ہوا کرتے تھے۔ اس میں قانون کے وہ محافظ بھی آکر دادِ عیش دیا کرتے تھے، جو پرائی عورتوں پر ڈاکے ڈالنے کو قانون شکنی سمجھتے تھے۔ شہر کے اُونچے گھرانوں کی عورتیں یہاں آکر رنگ رلیاں منایا کرتی تھیں۔ یہاں دُنیا کا ہر بُرا کام ہوتا تھا لیکن قانون کی اجازت سے۔

فریدی اور حمید ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ویٹر اُن کے پاس آیا۔ فریدی نے اُسے کُچھ کھانے پینے کی چیزوں اور تاش کے پتّوں کا آرڈر دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بیٹھے فلیش کھیل رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک جوان جوڑا بھی آکر اُن کے کھیل میں شریک ہو گیا۔ گیارہ بج گئے لیکن سر

بنتھال کا کہیں پتہ نہ تھا۔

فریدی کی اُکتاہٹ بڑھتی گئی آخر کار اُس نے کھیل ختم کر دیا۔ وہ دراصل کسی طرح اُس نوجوان جوڑے سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ کھیل کے اختتام پر وہ دونوں اٹھ کر ایک دوسری میز پر چلے گئے اور فریدی سگار سلگا کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ حمید اٹھ کر تمباکو نوشی کے کمرے اور دوسرے ملحقہ کمروں میں چکر لگانے لگا۔

جب وہ واپس آیا تو فریدی اپنی جگہ پر نہیں تھا۔ حمید بیٹھ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔

"آپ کے ساتھی کہہ گئے ہیں کہ آپ اُن کا انتظار نہ کریں۔" ایک ویٹر نے آکر حمید سے کہا اور حمید جھلّا اُٹھا۔ آخر اس کا مطلب؟ اب وہ احمقوں کی طرح چپ چاپ گھر لوٹ جائے اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں اسے پیدل ہی گھر نہ واپس جانا پڑے۔ بھلا فریدی نے کار کیوں چھوڑی ہو گئی؟ آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ گھر جائے گا ہی نہیں۔

وہ پھر ایک میز پر جا کر فلش میں جم گیا۔ حالانکہ وہ کبھی فلیش کھیلتا نہیں تھا لیکن وقت گذاری کے لیے بھی کُچھ ہونا چاہیئے۔ آخر وہ گھر جا کر بھی کیا کرتا۔ ادھر کُچھ دِنوں سے رات میں جاگنے کی عادت بھی پڑ گئی تھی۔

تقریباً بارہ بجے سر بنتھال کلب میں داخل ہوا۔ اُس نے سیاہ رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر نیلی فلٹ ہیٹ تھی۔ سر بنتھال متوسط قد کا ایک قوی الجثہ آدمی تھا۔ عمر چالیس اور پچاس کے درمیان رہی ہو گئی۔ اُس کے ساتھ ایک انگریز اور تھا۔ دونوں ایک خالی میز کے قریب بیٹھے۔ سر بنتھال نے چاروں طرف ایک اُچٹتی سی نظر ڈالی اور پاس کھڑے ہوئے ویٹر سے کُچھ کہنے لگا۔ حمید سنبھل کر بیٹھ گیا۔۔۔ چند لمحوں کے بعد ویٹر ایک کشتی میں شراب کی بوتل اور گلاس لے کر آیا۔۔۔ دونوں نے گلاس بھرے اور انہیں ہولے ہولے تین بار ٹکرانے کے بعد ہونٹوں سے لگالیا۔

دونوں شراب پیتے رہے۔ آہستہ آہستہ وہ کُچھ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

بوتل خالی ہو جانے کے بعد سر بنتھال نے کاؤنٹر پر جا کر قیمت ادا کی اور پھر دونوں لڑکھڑاتے ہوئے باہر جانے کے لیے آگے بڑھے اس دوران میں حمید اپنی میز سے اٹھ کر دوسری طرف جا چکا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر نکلے وہ سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگ گیا۔

حمید سمجھا تھا کہ شاید وہ کار لائے ہوں گے لیکن اس کا خیال غَلَط نکلا کیونکہ وہ پیدل جا رہے تھے۔ سر بنتھال کے ساتھی کی حالت نشے کی وجہ سے دِگر گوں ہو رہی تھی۔ سر بنتھال نے اُسے سہارا دے رکھا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو شاید اس کا ساتھی ایک قدم بھی آگے نہ چل سکتا۔ اُس کا ساتھی کُچھ عجیب شکل و صورت کا آدمی تھا۔ وہ تھا تو انگریز لیکن اس کی ڈاڑھی بالکل ہندوستانی سادھوؤں جیسی تھی۔ گھنی اور بد وضع جیسے اُس پر کبھی قینچی نہ چلی ہو۔ حمید کے لیے اُس کی ڈاڑھی خاص طور پر معمّہ بنی ہوئی تھی۔ اُس نے بہتیرے انگریزوں کو ڈاڑھی رکھے ہوئے دیکھا تھا لیکن اُن میں سے کوئی بھی ڈاڑھی کی طرف سے اتنا لاپرواہ نہیں نظر آیا تھا۔

حمید اُن کا تعاقب کر رہا تھا جب تک وہ لوگ شارع عام پر چلتے رہے حمید کو دقّتوں کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ سڑک کے کنارے لگے ہوئے بجلی کے کھمبے اُسے بہت زیادہ محتاط رہنے پر مجبور کر رہے تھے۔ اچانک اُن لوگوں نے سڑک چھوڑی اور بائیں طرف مڑ گئے۔ یہ ایک پتلی سی تاریک گلی تھی۔ دورویہ اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔ یہاں اتنی تاریکی تھی کہ آگے جانے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ حمید صرف قدموں کی چاپ سن رہا تھا۔ وہ قدموں کی آہٹ کا تعاقب کرتا رہا لیکن تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔ گلی کے اختتام پر تاروں کی چھاؤں میں اُسے صرف ایک آدمی دکھائی دیا۔ سر بنتھال۔۔۔ لیکن اُس کا دوسرا ساتھی۔۔۔ وہ کہاں گیا؟ سر بنتھال نے اُسے کہاں چھوڑا؟ قدموں کی آواز تو ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں تھمی تھی۔ آخر اُس نے اُسے کہاں اور کس طرح چھوڑا؟ حمید کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہئے۔۔۔ لیکن وہ غیر ارادی طور پر سر بنتھال کا تعاقب کرتا ہی رہا۔ اب وہ پھر ایک سڑک پر چل رہا تھا۔ یہاں کوئی ایسی جگہ بھی نہ تھی کہ جس کے سہارے چھپ کر وہ تعاقب

جاری رکھ سکتا۔ بجلی کے کھمبوں کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ قصداً سر بنتھال سے کافی فاصلے پر چل رہا تھا۔ دفعتاً ایک کار اس کے قریب سے گذری اور سر بنتھال کے قریب پہنچ کر رُک گئی۔ سر بنتھال اُس پر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ سڑک پر پھر سنّاٹا چھا گیا۔ حمید چند لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر اُسی تاریک گلی میں داخل ہو گیا جہاں سے وہ سر بنتھال اور اس کے ساتھی کا پیچھا کرتا ہوا گذرا تھا۔ اُس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکالی اور اس کی روشنی میں راستہ دیکھتا ہوا چلنے لگا۔ ابھی اُس نے آدھی ہی گلی طے کی تھی کہ دفعتاً اُسے رُک جانا پڑا۔ اس کی ٹارچ کی روشنی ایک اوندھے پڑے ہوئے آدمی کے گرد دائرہ بنا رہی تھی۔ حمید جھپٹ کر اُس کے قریب پہنچا۔ اُس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ کیا سر بنتھال نے اُسے یہاں ڈال دیا؟ وہ اُسے سیدھا کرنے کی کوشش کرنے لگا اور دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی۔

یہ سر بنتھال کا ساتھی نہیں بلکہ کوئی اور انگریز تھا۔ اُس کے سر سے تازہ تازہ

خون بہہ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سر میں گہری چوٹ کھانے کے بعد بے ہوش ہو گیا ہو۔

حمید اِدھر اُدھر روشنی ڈالنے لگا۔ اس علاقے میں زیادہ تر تجارت پیشہ انگریز اور پارسی رہتے تھے۔ تمام دروازے بند تھے سوائے ایک مکان کے جس کے سامنے وہ انگریز پڑا تھا۔ حمید نے دروازے کے اندر روشنی ڈالی ایک جگہ سوئچ بورڈ لگا ہوا نظر آیا جس میں گھنٹی لگی ہوئی تھی۔ حمید نے اندر جا کر گھنٹی کا بٹن دبایا اور اندر کہیں دور گھنٹی بجنے کی آواز سُنائی دی۔ حمید کو تقریباً پندرہ منٹ کھڑے ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کئی بار گھنٹی بجانی پڑی۔۔۔ اور پھر قدموں کی آہٹ سُنائی دی اندر کے کمرے میں کسی نے بجلی جلائی اور دروازہ کھلا حمید کے سامنے دروازے میں ایک متوسط عمر کی انگریز عورت شب خوابی کا لبادہ پہنے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے؟" اُس نے ایک ہندوستانی کو اتنی رات گئے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر حیرت سے کہا۔

”تمہارے مکان کے سامنے ایک زخمی آدمی بے ہوش پڑا ہے۔“ حمید نے اس سے کہا۔

”تو میں کیا کروں؟“ وہ جھلا کر بولی۔

”بات یہ ہے کہ وہ بھی ایک انگریز معلوم ہوتا ہے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

”اوہ۔۔۔ کہاں۔۔۔؟“ وہ آگے بڑھ کر حیرت سے بولی۔

”حمید نے ٹارچ کی روشنی بیہوش آدمی پر ڈالی اور عورت چیخ پڑی۔

”اوہ۔۔۔ ٹیوی۔۔۔ یہ اسے کیا ہوا؟“ وہ اُس پر جھپٹی۔

”کیا تم اسے پہچانتی ہو؟“ حمید نے پوچھا۔

”پہچاننا کیسا۔۔۔!“ عورت چیخ کر بولی۔ ”یہ میرا شوہر ہے۔۔۔ مگر یہ یہاں کہاں؟“

”کیوں؟ کیا اسے کہیں اور ہونا چاہئے تھا؟“ حمید نے پوچھا۔

"تت۔۔۔ تم میری مدد کرو۔۔۔ ہم اسے اندر لے جائیں گے۔" عورت نے ملتجانہ انداز میں حمید سے کہا۔

دونوں اُسے اٹھا کر اندر لے آئے۔ حمید نے اسے صوفے پر ڈال دیا۔

عورت اُسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگی۔ "تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟" حمید نے پوچھا۔

"میں بہت پریشان ہوں۔" عورت بولی۔ "فی الحال کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔۔۔ تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے مُجھے جگانے اور اسے یہاں لانے کی تکلیف گوارا کی۔"

اس کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اب وہاں حمید کی موجودگی پسند نہیں کرتی۔

"میڈم مُجھے افسوس ہے کہ میں اس کے متعلّق ضروری معلومات بہم پہنچائے بغیر واپس نہیں جا سکتا۔" حمید نے کہا۔

”کیوں۔۔۔؟“ وہ تیز لہجے میں بولی۔

”کیونکہ اس قسم کے واقعات کی اطلاع پولیس کو دینا میرا فرض ہے۔“

”مگر میں اسے ضروری نہیں سمجھتی۔“ عورت گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”تعجّب کی بات ہے کہ تمہارا شوہر اتنے پُراسرار طریقے پر زخمی ہو گیا اور تم اس کی اطلاع پولیس کو دینا ضروری نہیں سمجھتیں؟“

”تمہیں اس سے کیا؟“ وہ تیز لہجے میں بولی۔ پھر دفعتاً سنبھل کر کہنے لگی۔ ”میرا دماغ اس وقت ٹھیک نہیں مُجھے تم سے ایسے لہجے میں گفتگو نہ کرنی چاہئے۔۔۔ میں پولیس کو اس کی اطلاع دینا اس لیے غیر ضروری سمجھتی ہوں کہ۔۔۔!“

”ہاں ہاں کہو۔۔۔!“ حمید بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑا ہو اور سر میں چوٹ لگنے کی وجہ سے بے ہوشی آگئی ہو۔“ عورت بولی۔

”چوٹ سر کے پچھلے حصّے میں لگی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اور میں نے اسے زمین پر اوندھا پڑا ہوا پایا تھا۔ لہٰذا اگر گرنے کی وجہ سے چوٹ آئی ہے تو اُسے پیشانی یا سر کے اگلے حصّے پر ہونا چاہئے تھا۔“

”تم عجیب آدمی ہو۔“ عورت جھنجھلا کر بولی۔ ”تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب۔۔۔!“

”سمجھا۔۔۔!“ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”شاید تم اس سے طلاق لینے کا کوئی معقول بہانا نہیں پیدا کر سکیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“ عورت چیخ کر بولی۔

”یورپ کی عورتیں۔۔۔ خصوصاً انگریز۔۔۔ جب اپنے شوہروں سے عاجز آجاتی ہیں تو کسی وجہ سے طلاق نہ لے سکنے کی بناء پر اکثر انہیں قتل ہی کرا دیتی ہیں۔“ حمید نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

”مت بکو!“ عورت بے ساختہ چیخی۔ ”میں تمہیں گولی مار دوں گی!“

"اس طرح تم دوسرا جرم کرو گی۔" حمید مُسکرا کر بولا۔

"اوہ۔۔۔!" عورت جھلّاہٹ میں سر پیٹنے لگی۔ پھر تیزی سے بولی۔ "یہاں سے چلے جاؤ۔"

"میں تمہارے شوہر کی بے ہوشی کی معقول وجہ جانے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتا۔"

"نکلو۔۔۔!" وہ حمید پر جھپٹی۔ "فوراً نکلو یہاں سے۔"

وہ حمید کو دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی۔

"اس سے کام نہیں چلے گا۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "میں پولیس کا آدمی ہوں۔"

"پولیس۔۔۔!" وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ لیکن پھر سنبھل کر بولی۔ "کیوں میری پریشانیوں میں اضافہ کر رہے ہو؟ تم نہیں دیکھتے کہ میرے شوہر کی کیسی حالت ہے؟"

”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“حمید نے کہا۔

”کیا مدد کرنے کا یہی طریقہ ہے؟“عورت تیزی سے بولی۔

”برانڈی۔۔۔!“حمید گلا صاف کرتے ہوئے بولا۔”اُسے تھوڑی برانڈی دو۔“

”میں سب کُچھ کرلوں گی تم جاسکتے ہو۔“عورت نے بیزاری سے کہا۔

”خیر میں جا رہا ہوں۔“ حمید دروازے کی طرف مڑتا ہوا بولا۔ ”لیکن پولیس تمہیں پریشان ضرور کرے گی۔“

”ٹھہرو۔۔۔!“عورت نے کہا۔

حمید رُک کر اس کی طرف مڑا۔

”اسے اس کے کمرے تک پہنچانا ہے۔میں اکیلے نہ لے جاسکوں گی۔“

حمید مُسکرا کر آگے بڑھا۔

دونوں نے اُسے پھر اٹھایا اور ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آئے۔ یہ کمرہ

اوپری منزل میں واقع تھا۔ اُسے ایک مسہری پر لٹا دیا گیا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔۔۔ میں برانڈی لے کر آتی ہوں۔" عورت نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ دفعتاً ایک خیال اُس کے ذہن میں پیدا ہوا اور اُس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ جسم کے سارے روئیں کھڑے ہوتے معلوم ہوئے وہ اٹھ کر تیزی سے کھڑکی کے قریب آیا۔ دوسری طرف چھجا تھا۔۔۔ وہ پھر مڑا اس طرف جانا خطرے سے خالی نہیں۔ وہ سوچنے لگا کمرے کے باہر کئی قدموں کی آوازیں سُنائی دیں اور حمید لوہے کی مسہری کے نیچے گھُس گیا جس کے چاروں طرف چادر لٹک رہی تھی۔

"ارے کہاں گیا؟" عورت کی آواز سُنائی دی۔

"نکل گیا۔۔۔!" کوئی مرد بولا۔

"اوہ۔۔۔ میں نیچے کا دروازہ کھلا چھوڑ آئی تھی۔"

"وہ ضرور کوئی چور تھا۔" مرد اس طرح چیخ کر بولا جیسے آس پاس کے کمروں تک

اپنی آواز پہنچانا چاہتا ہو۔

"نیچے کا دروازہ بند کر آؤ۔" دوسرا مرد بولا۔

یہ دونوں تندرست اور قد آور تھے۔ ان میں سے ایک کوئی ملٹری آفیسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ اتنی رات گئے تک اپنی فوجی وردی ہی میں تھا۔ اُس نے دوسرے آدمی کی طرف گھور کر دیکھا اور وہ کمرے سے چلا گیا۔

"ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا۔" اس نے بے ہوش انگریز کی طرف اشارہ کر کے عورت سے کہا۔

"مگر وہ اس وقت باہر کہاں گیا تھا؟" عورت بولی۔ "میں سمجھی تھی کہ وہ اپنے کمرے میں سو رہا ہو گا۔"

"تمہیں یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں۔" ملٹری آفیسر بولا۔

"لیکن وہ آدمی کہاں گیا؟" عورت نے کہا۔

”نکل گیا۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ تم سے ہمدردی جتا کر کچھ روپیہ اینٹھنا چاہتا تھا۔“

”اُس نے تو کہا تھا کہ وہ پولیس کا آدمی ہے۔“

”تم ان مشرقیوں کو نہیں جانتیں۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔ ”مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ ٹیوی کو زخمی کس نے کیا؟“

”تم آخر بتاتے کیوں نہیں؟“ عورت بولی۔ ”یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“

”تمہیں ان باتوں سے کوئی غرض نہ ہونی چاہیے۔“ ملٹری آفیسر نے کہا۔

”کیوں نہ ہونی چاہیے؟“ عورت جھلّا کر بولی۔ ”تم لوگ کوئی خطرناک کام کر رہے ہو۔“

”اوہ تم غَلَط سمجھیں۔“ ملٹری آفیسر نرم لہجے میں بولا۔ ”تم جانتی ہو کہ یہاں کے کئی دیسی تاجر ٹیوی کے دُشمن ہو رہے ہیں۔“

”لیکن وہ اس وقت کہاں گیا تھا؟ اور تم لوگ اس وقت تک کیوں جاگ رہے ہو؟ تم نے اپنا لباس کیوں نہیں تبدیل کیا؟ تم نے ابھی یہ کیوں کہا تھا کہ ٹیوی نے احتیاط سے کام نہیں لیا؟“

عورت ایک سانس میں سب کُچھ کہہ گئی۔

”تم بھی بعض اوقات بہت مضحکہ خیز ہو جاتی ہو۔“ ملٹری آفیسر ہنس کر بولا۔

”مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو!“ عورت تیز لہجے میں بولی۔

”ہمیں ٹیوی کے لیے کُچھ کرنا چاہیے۔ یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔“ ملٹری آفیسر نے مُنہ بنا کر کہا اور مسہری کے قریب آ گیا۔

اتنے میں وہ دوسرا آدمی بھی آ گیا، جو دروازہ بند کرنے گیا تھا۔

”میں نے مکان کا کونا کونا دیکھ ڈالا۔“ اُس نے کہا۔

”برانڈی لاؤ۔“ ملٹری آفیسر بولا جو ٹیوی کے اوپر جھکا ہوا تھا۔

"میں پوچھتی ہوں آخر یہ سب ہے کیا؟" عورت مضطربانہ انداز میں بولی۔

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں؟" ملٹری آفیسر جھنجھلا کر بولا۔ "میں تو اپنے کمرے۔۔۔!"

"سورہے تھے۔" عورت طنزیہ انداز میں اُس کی بات کاٹ کر بولی۔ "تمہیں صُبح میدانِ جنگ میں جانا ہے نا اس لیے تم وردی پہن کر سوئے تھے۔۔۔ اور اتنی احتیاط سے لیٹے تھے کہ کپڑوں میں ایک شکن بھی نہیں دکھائی دیتی۔"

ملٹری آفیسر ہنس پڑا۔

"تم لوگوں نے میرا دماغ خراب کر دیا۔" عورت جھلّا کر بولی۔ "ایک گھنٹہ گزر گیا لیکن ابھی تک اسے ہوش نہیں آیا۔ معلوم نہیں باہر کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔۔۔ کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں لاتے؟"

تھوڑی دیر بعد ٹیوی کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اُسے ہوش آ گیا۔ عورت نے کُچھ بولنا چاہا۔

لیکن ملٹری آفیسر نے اشارے سے منع کر دیا۔

"میں کہاں ہوں؟" ٹیوی بھرّائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اپنے کمرے میں۔" عورت جلدی سے بولی۔ "تم گلی میں بے ہوش پڑے تھے۔"

ٹیوی کُچھ سوچنے لگا پھر اُس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

"تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" عورت آگے بڑھ کر بولی۔

"فون۔۔۔!" ٹیوی جلدی سے بولا۔ "مُجھے فون کرنا ہے مُجھے آفس میں لے چلو۔"

"کیا پولیس کو۔۔۔؟" عورت نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔!" ٹیوی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"تم اس وقت کہاں گئے تھے؟" عورت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔

"پھر وہی۔۔۔!" ملٹری آفیسر نے کہا۔ "یہ پھر پوچھ لینا۔ ٹیوی کی دماغی حالت اس وقت ٹھیک نہیں۔"

"تم مجھے آفس میں لے چلو۔" ٹیوی نے ملٹری آفیسر کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اپنی بیوی سے بولا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔"

"آخر یہ سب کیا ہے؟" عورت اُکتا کر بولی۔

"تمہیں اس سے غرض نہیں۔" ٹیوی تیز لہجے میں بولا۔

اور پھر وہ تینوں کمرے سے باہر چلے گئے عورت سِسکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

حمید مسہری کے نیچے پڑا سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں سے نکل بھاگنا ضروری تھا۔ خطرے کی بُو اُس نے پہلے ہی سونگھ لی تھی اور پھر ان لوگوں کی گفتگو سے اُس نے اچھّی طرح اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو قانون کی نظروں میں جُرم ہے۔

ابھی حمید یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ملٹری آفیسر نے کمرے میں آکر عورت سے کہا۔

"ٹیوی تمہیں آفس میں بلا رہا ہے۔"

عورت اٹھ کر اُس کے ساتھ چلی گئی۔

حمید نے اندازہ لگا لیا کہ وہ ابھی جلد ہی اس کمرے میں واپس نہ آسکیں گے۔ کیونکہ شاید وہ ٹیوی کی بیوی کو اپنی عجیب و غریب حرکات کا اُلٹا سیدھا مطلب سمجھا کر اُسے مطمئن کرنے کی کوشش کریں گے۔ وہ مسہری کے نیچے سے نکلا اور میز پر رکھا ہوا بجلی کا لیمپ بجھا دیا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اگر نیچے روشنی ہوئی تو اس کا پکڑا جانا ضروری ہے۔ معلوم نہیں وہ کمرہ کدھر ہو جسے وہ لوگ آفس کہہ رہے تھے۔ حمید چند لمحے کھڑا رہا پھر اُس نے جیب سے ایک اکنی نکالی۔ لیمپ سے بلب نکالا اور ہولڈر میں اکنی رکھی پھر اس پر سے بلب لگا کر سوئچ آف کر دیا۔۔ پوری عمارت تاریک ہو گئی۔

حمید کمرے سے نکل کر تیزی سے زینے کی طرف بڑھا۔

"شاید فیوز اڑ گیا۔" کسی نے کہا اور حمید دوسرے لمحے گلی میں تھا۔

گونگا بولتا ہے

سردی بہت شدّت سے پڑ رہی تھی۔ حمید گلی سے نکل کر سیدھا ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف ہو لیا۔ اس نے گھڑی دیکھی تین بج رہے تھے۔ کلب پہنچتے پہنچتے اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کے جسم کے کھُلے ہوئے حصّے بالکل سُن ہو گئے ہوں۔

کلب میں اب کُچھ بے رونقی سی آگئی تھی۔ زیادہ تر لوگ جا چکے تھے کُچھ میزوں پر صرف وہی لوگ نظر آرہے تھے جو بہت لمبا کھیل کھیلتے تھے یا پھر وہ جو اپنے پچھلے خسارے پورے کر رہے تھے۔ حمید ایک خالی میز کے قریب بیٹھ گیا اور

کافی منگائی۔

اُس کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا۔ وہ لوگ کون تھے اور ان کا پر اسرار رویّہ۔۔۔ کیا اُس کا تعلّق کسی اہم واقعے سے ہو سکتا ہے؟ اور پھر اچانک اُسے سر بنتھال یاد آ گیا۔ آخر اُس کا ساتھی کہاں گیا؟ اُسے زمین نِگل گئی یا آسمان؟ اِس گلی میں کوئی اور راستہ بھی تو نہیں تھا۔

کافی ختم کر چکنے کے بعد اس نے سوچا کہ اب گھر چلنا چاہیئے۔ اس وقت ٹیکسی تو ملنے سے رہی۔ پیدل ہی جانا پڑے گا اور یہ خون منجمد کر دینے والی سردی۔۔۔ اُس نے اپنے اوور کوٹ کے کالر کھڑے کیے اور فلِٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھکاتا ہوا کلب سے نکل آیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے ساڑھے چار بج گئے۔ فریدی کے سونے کے کمرے میں اندھیرا تھا۔ شاید وہ سو رہا تھا یا وہاں تھا ہی نہیں۔ نیند سے حمید کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا اور کپڑے اُتار کر مسہری میں گھُس گیا۔

اور پھر اُسی وقت اس کی آنکھ کھلی جب فریدی نے اُسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگایا۔

"ارے صاحب کون سی آفت آگئی؟" وہ لحاف سے مُنہ نکال کر میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "ابھی تو نو ہی بجے ہیں۔"

اُس نے پھر مُنہ اندر کر لیا اور فریدی نے لحاف کھینچ کر الگ ڈال دیا۔

"لاحول ولا قوۃ۔۔۔!" حمید اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کہاں تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"جہاں سے ابھی آپ نے اٹھایا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں رات تم کہاں رہے؟"

"اِس کے لیے مُجھے سوچنا پڑے گا۔" حمید نے کہا اور کمرے سے نکل کر غُسل خانے میں چلا گیا۔

فریدی لائبریری کی طرف گھوم گیا وہ خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ حمید ناشتہ کرنے

کے بعد پائپ پیتا ہوا ٹیلی فون کے قریب آیا۔ فریدی کسی کتاب کے مطالعے میں غرق تھا۔ حمید ریسیور اُٹھا کر بولنے لگا۔ ”ہیلو۔۔۔ کوتوالی۔۔۔ ذرا جگدیش۔۔۔ میں حمید بول رہا ہوں۔۔۔ کل رات یا آج صُبح کسی انگریز نے کوئی رپورٹ تو نہیں درج کرائی؟ اوہ کیا نام بتایا تم نے راشر ٹیوی؟ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیا؟ بہت خوب۔۔۔ اچھّا شکریہ۔۔۔۔ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ شام کو آرہا ہو۔۔۔ اچھّا۔۔۔!“ حمید نے ریسیور رکھ دیا۔ اِس دوران میں فریدی اُسے گھور گھور کر دیکھتا رہا۔

”کوئی نئی حماقت؟“ فریدی نے طنزیہ انداز میں مُسکرا کر پوچھا۔

”جی ہاں میری تو ہر حرکت حماقت ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میں ایک نئے معاملے کی تحقیقات کر رہا ہوں۔“

”بہت اچھّے!“

”تو گویا آپ مذاق سمجھتے ہیں؟“

"جی نہیں۔ مُجھے اچھّی طرح معلوم ہے کہ آپ سر بنتھال کا تعاقب کرتے کرتے ایک دوسرے معاملے میں ٹانگ اڑا بیٹھے۔"

"جی۔۔۔!" حمید نے چونک کر کہا۔ "آپ کو کیا معلوم؟"

"خیر اُسے چھوڑو۔ اِس مکان کا نمبر کیا تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ کو معلوم کیسے ہوا؟"

"بکواس چھوڑو جو میں پوچھتا ہوں اس کا جواب دو۔" فریدی نے کہا۔

"۲۱/۳ ہارلے اسٹریٹ۔۔۔!"

"تم کُچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو۔" فریدی حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کہو۔۔۔!"

"کُچھ نہیں۔۔۔!"

"میں اس نئے معاملے کے متعلّق جاننا چاہتا ہوں جس کی تم تحقیقات کر رہے ہو۔"

”آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں نے اپنا طریقہ کار بدل دیا ہے۔“ حمید نے فریدی کے لہجے کی نقل کرتے ہوئے کہا۔

”اچھّا جی۔“

”جی ہاں۔۔۔!“

”خیر جانے دو مُجھے کیا۔۔۔!“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”شاید تُم ابھی فون پر جگدیش سے باتیں کر رہے تھے۔ کیا جگدیش نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ ٹیوی کے یہاں ایک بدمعاش بھی گھُس گیا تھا، جو بعد میں اُن کے یہاں کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا۔۔۔ اور اس کا حلیہ۔۔۔ اُس نے حلیہ بھی درج کرا دیا ہے۔۔۔ میری رائے تو یہ ہے کہ تُم اُس وقت تک گھر سے باہر نہ نکلنا جب تک تمہارے چہرے پر کافی گھنی ڈاڑھی نہ نکل آئے۔“

حمید خاموشی سے فریدی کی طرف دیکھتا رہا۔ اُس کی حالت اس وقت کسی ایسے بچے کی سی ہو رہی تھی جسے کسی غَلَطی پر ٹوک دیا گیا ہو۔

"تمہارا طریقہ کار واقعی بہت دلچسپ ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

حمید نے کوئی جواب دینے کی بجائے جھینپ کر ایک کتاب اُٹھالی۔

"ہاں اب کہہ چلو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتا کہ تُم نے غَلَطی کی۔"

چند لمحوں کی ہچکچاہٹ کے بعد حمید نے رات کے سارے واقعات دہرا دیے۔

"لیکن آپ کو اِس کا علم کیسے ہوا؟" حمید نے پوچھا۔

"کُچھ میں پہلے ہی سے جانتا تھا بقیہ باتیں تم نے بتائیں اور انجام کی اطلاع جگدیش سے ملی۔"

"اس نے آج صُبح مُجھے ٹیوی کے متعلّق فون کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"پہلے سے آپ کُچھ جانتے تھے وہ کس طرح آپ کو معلوم ہوا؟" حمید نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"ابھی بتاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "تمہاری داستان کا یہ حصّہ دلچسپ ہے کہ ٹیوی

کے مکان میں کوئی وردی پہن کر سویا تھا اور اس پر ٹیوی کی بیوی کو حیرت تھی۔"

"بس یہیں سے میرے شکوک اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"بہر حال۔" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "اس سے تم کس نتیجے پر پہنچے ہو؟"

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کس نتیجے پر پہنچوں۔ میں سر بنتھال اور اُس کے عجیب الخلقت ساتھی کا تعاقب کر رہا تھا۔ دونوں ایک گلی میں داخل ہوئے تھے دونوں کے قدموں کی آوازیں سُنتا رہا اور جب سر بنتھال گلی کے دوسرے سِرے پر پہنچا تو وہ بالکل تنہا تھا۔ اگر ایک سیکنڈ کیلئے بھی اس کے قدم رُکے ہوتے تو میں کہتا کہ اس نے وہیں کہیں اُسے ڈال دیا ہو گا یا کسی کے حوالے کر دیا ہو گا۔"

"اور واپسی میں تم نے ٹیوی کو گلی میں پڑا دیکھا۔" فریدی نے کہا۔

"اور اسی لیے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کی ٹیوی ہی سر بنتھال کے ساتھ تھا۔ اُس کی سادھوں جیسی ڈاڑھی سے میں نے پہلے ہی اندازہ لگالیا تھا کہ وہ نقلی ہے۔"

"اچھّا تو تم یہ سمجھ رہے ہو کہ سر بنتھال نے اُسے شراب پلائی اور گلی میں لے جا

کر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی پھر زخمی کر کے وہیں ڈال دیا؟" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"پھر اس کے علاوہ اور سمجھا ہی کیا جا سکتا ہے؟"

"فرض کرو اگر ایسا ہی ہے تو تم اس حرکت کو کیا معنی پہناؤ گے؟" حمید خاموش ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"بظاہر یہ حرکت قطعی بے معنی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"مگر۔۔۔؟"

"مگر یہ کہ میں غیب دان نہیں ہوں۔" حمید جھلّا کر بولا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

"خیر۔۔۔!" فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ "میں سمجھتا ہوں۔۔۔!"

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تہہ خانے کی سیڑھیاں طے کر رہے تھے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی عجیب تھا جب حمید کے مُنہ سے حیرت کی چیخ نکل گئی تھی۔

سر بنتھال کا عجیب الخلقت ساتھی۔ فریدی کے تہہ خانے میں بیٹھا انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔

"یہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" فریدی نے اس سے انگریزی میں کہا۔ "تمہیں اس گھنی ڈاڑھی کی وجہ سے گرمی لگ رہی ہو گی اسے اب اپنے چہرے سے ہٹا ہی دو تو بہتر ہے۔"

حمید اُس کے چہرے پر فریدی کے الفاظ کا ردِّ عمل دیکھ رہا تھا۔۔ سر بنتھال کا ساتھی اس طرح فریدی کی طرف دیکھنے لگا جیسے اُس نے کُچھ سُنا ہی نہ ہو۔

"میرے خیال سے یہ گونگا ہے۔" فریدی نے حمید کی طرف مُڑ کر انگریزی میں کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" حمید بولا۔

"ٹھہرو! میں اس کی ڈاڑھی الگ کیئے دیتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور آگے بڑھ کر اُس کی ڈاڑھی نوچ لی۔ وہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔ لیکن زبان سے کُچھ نہ بولا۔ اُس

کے چہرے سے مصنوعی ڈاڑھی الگ ہو چکی تھی۔

فریدی اُس کے قریب بیٹھ گیا اور حمید کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر فریدی نے ایسی گفتگو چھیڑ دی جس کا ان معاملات سے کوئی تعلّق ہی نہ تھا۔ حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر اس سے فریدی کا کیا مطلب ہے۔

"ارے خدا غارت کرے۔" سر بنتھال کے ساتھی نے یک بیک اُچھل کر عربی زبان میں کہا۔

حمید گھبرا کر اس کی طرف دیکھنے لگا اور فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تو کیا تم انگریزی زبان بالکل نہیں جانتے۔" فریدی نے عربی میں پوچھا۔

"جانتا ہوں۔" وہ جھلّا کر بولا۔

"بہر حال تمہاری مادری زبان عربی معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں میں حسینہ کا بھائی ہوں۔" وہ چیخ کر بولا۔ "جس طرح تم لوگوں نے اُسے

قتل کیا ہے مجُھے بھی مار ڈالو۔۔۔ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔"

حمید کو حیرت ہو رہی تھی کہ آخر یک بیک یہ گونگا بول کیسے پڑا۔ وہ عربی زبان سے ناواقف تھا لیکن اتنا ضرور سمجھ گیا تھا کہ سر بنتھال کا ساتھی اور فریدی عربی میں گفتگو کر رہے ہیں۔

"اوہ تو تم حسینہ کے بھائی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ لیکن اب دیر کس بات کی ہے۔ مجُھے بھی قتل کر دو نا۔" اس نے جواب دیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ ہم تمہیں قتل کرنے کے لیے نہیں لائے۔"

"پھر مجھے یہاں تہہ خانے میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"کل رات تم کس کے ساتھ تھے اور تُم نے بھیس کیوں بدل رکھا تھا؟" فریدی نے اس کے سوال کو نظر انداز کر کے پوچھا۔

”اور بھیس بدلنے کے باوجود بھی میں نہ بچ سکا۔“

”تم قطعی بچ گئے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن سر بنتھال کو ایک مصری سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟“

”وہ میرے مرحوم باپ کا دوست اور میرا ہمدرد ہے۔“

”کیا وہ حسینہ کو پہچانتا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔!“

”اور تمہیں۔۔۔؟“

”ہاں وہ مُجھے پہچانتا ہے۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اُسے بھی ختم کر دو۔“

”تم اس شہر میں کب آئے ہو؟“

”کل دوپہر کو۔“

"سر بنتھال سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی؟"

"میں اسی کے ہاں ٹھہرا تھا۔"

"تمہیں کل ہی حسینہ کے قتل کے متعلّق معلوم ہو گیا تھا؟"

"ہاں۔۔۔!"

"تو پھر تم نے اپنے متعلّق پولیس کو کیوں اِطّلاع نہیں دی؟"

"تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب۔۔۔؟" وہ جھلّا کر بولا۔

"مطلب یہ ہے کہ میں یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کا انسپکٹر ہوں!"

سر بنتھال کا ساتھی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تمہارا نام۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"فضیل۔۔۔ محمد فضیل۔۔۔!"

"تم نے ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں نے۔۔۔؟" وہ متحیّرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں تم نے۔۔۔ تمہیں اپنے متعلّق پولیس کو ضرور مطلع کرنا چاہیے تھا۔"

"مُجھے سر بنتھال نے روک دیا تھا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اُسے ڈر تھا کہ کہیں میں بھی نہ قتل کر دیا جاؤں۔"

"آخر اس ڈر کی وجہ۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"اس لیے کہ اب اپنے خاندان میں صرف میں ہی باقی رہ گیا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرے علاوہ میرے خاندان کا ایک ایک فرد قتل کیا جا چکا ہے۔"

"آخر کیوں۔۔۔؟ کوئی وجہ۔۔۔؟"

"وجہ تو مُجھے بھی آج تک نہیں معلوم ہو سکی۔ پہلے میرا باپ قتل ہوا۔ پھر بڑا بھائی

پھر بہن اور شاید اب میری باری ہے۔"

"میں اُس رومال کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں جس کے لیے تمہاری بہن قتل کی گئی۔"

"اوہ وہ منحوس رومال۔۔۔!"

"ہاں ہاں کہو۔"

"وہ رومال میرے باپ نے اپنے قتل سے ایک روز قبل میرے بڑے بھائی کو دیا تھا۔"

"آخر وہ رومال تھا کیسا۔۔۔؟"

"معمولی جیسے کہ سب رومال ہوتے ہیں۔"

"تمہارے باپ کے قاتلوں کا کُچھ پتہ چلا تھا؟"

"نہیں۔۔۔ لیکن میرا خیال ہے کہ کسی آدمی کا کام نہیں تھا۔"

"یعنی۔۔۔!"

"یہ کام اُن سے کئی ہزار گنا طاقت والے کا تھا۔"

"میں پھر نہیں سمجھا۔" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں کس طرح بتاؤں؟" وہ کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "بس اسی طرح سمجھ لو کہ اگر تم کسی ننھّی مُنّی چڑیا کی ٹانگیں پکڑ کر زور آزمائی کرو تو اس کا کیا حشر ہو گا۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کے مُنہ سے بے اختیار نکل گیا۔ "تم قاہرہ کے فوجی سراغ رساں علی فضیل کے لڑکے تو نہیں ہو؟"

"ہاں میں اُسی مظلوم باپ کا بیٹا ہوں۔" وہ گلوگیر آواز میں بولا۔

"شاید اب سے تین سال قبل ہمیں اس دردناک قتل کی اِطّلاع ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"اور پھر ٹھیک اسی کے تیسرے دِن میرے بھائی کو کسی نے گولی کا نشانہ بنا دیا۔"

"اور وہ رومال۔۔۔!" فریدی نے مُضطربانہ انداز میں پوچھا۔

"میں اُس رومال کو بھول جانا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ نہ بھولو کہ تمہیں ان تینوں کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لیے زندہ رہنا ہے۔"

"انتقام۔۔۔!" وہ حسرت آمیز لہجے میں بولا۔ "کسی اَن دیکھی قوّت سے انتقام نہیں لیا جا سکتا۔ سر بنتھال کا خیال ہے کہ یہ کسی آدمی ہی کا کام ہے لیکن میں اسے ماننے کے لیے تیّار نہیں۔"

"آخر کیوں؟"

"میرے باپ کی پُر اسرار موت۔"

"لیکن تمہارا بھائی تو کسی کی گولی سے ہلاک ہوا۔ تمہاری بہن کو کسی نے خنجر مارا۔" فریدی نے کہا۔

”یہ سب اُسی رومال کی نحوست ہے۔“ وہ کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”یقیناً وہ رومال آسیب زدہ ہے اس کا تعلّق کسی خبیث روح سے ہے۔“

”لیکن وہ رومال تمہاری بہن تک کیسے پہنچا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”میں اُس دوران میں وہاں موجود نہیں تھا۔ بھائی اور باپ دونوں کی موت کی اِطّلاع مُجھے ایک ساتھ ملی۔ جب میں قاہرہ واپس آیا تو میرے ماموں نے مُجھے سب حالات بتائے اپنی موت سے ایک روز قبل میرے بھائی نے وہ رومال حسینہ کو دے کر احتیاط سے رکھنے کی ہدایت کی تھی اور پھر بھائی کی موت کے بعد حسینہ پُراسرار طور پر غائب ہو گئی۔۔۔ میں اُسے ڈھونڈتا رہا۔۔۔ مُجھے اِطّلاع ملی وہ تمہارے ملک میں آئی ہے۔۔۔ میں برابر اُسے ڈھونڈتا رہا اور پھر جب یہاں پہنچا تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی اور موت کی خبر۔۔۔ کاش میں بھی۔۔۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔“

”سر بنتھال سے تم پہلی بار کب اور کہاں ملے تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

"باپ اور بھائی کی موت کے بعد وہ ہمارے یہاں آیا تھا۔"

"حسینہ اُس وقت موجود تھی۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں وہ لاپتہ ہو چکی تھی۔"

"تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ سر بنتھال نے اُسے کبھی نہیں دیکھا تھا؟"

"مُجھے یقین ہے کہ وہ اُسے نہیں پہچانتا تھا۔"

"سر بنتھال کے سامنے کبھی اُس رومال کا تذکرہ بھی آیا تھا۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"کل کے علاوہ کبھی نہیں۔"

"کیا تمہیں اپنے حافظے پر بھروسہ ہے؟"

"قطعی۔۔۔!"

"تمہیں اس بات پر کس طرح یقین آ گیا تھا کہ سر بنتھال تمہارے باپ کا

دوست تھا؟"

"مُجھے یہ سر بنتھال ہی کی زبانی معلوم ہوا تھا۔"

"کبھی تمہارے باپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا تھا۔"

"کبھی نہیں۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی کُچھ سوچنے لگا۔

"لیکن میں کس طرح یقین کر لوں۔۔۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں سچ مچ ایک سرکاری جاسوس ہوں اور تمہاری بہن کے قتل کے سِلسِلے میں تحقیقات کر رہا ہوں اور تمہاری حفاظت بھی میرے ذمّے آ پڑی ہے۔" فضیل خاموشی سے زمیں کی طرف دیکھنے لگا۔

"مُجھے یہاں کب تک رہنا پڑے گا؟" اس نے تھوڑی دیر بعد فریدی سے پوچھا۔

"زیادہ دِن نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "مُجھے یقین ہے کہ میں جلد ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر کے لیے پھر خاموشی چھا گئی۔ حمید کے چہرے سے اضطراب ظاہر ہو رہا تھا۔

"سر بنتھال نے کل رات تمہیں اتنی زیادہ کیوں پلا دی تھی؟" فریدی نے اچانک پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتا۔" فضیل نے کہا۔

"تمہارا بھیس اُسی نے بدلا تھا؟"

"ہاں۔۔۔!"

"کیا تمہیں سر بنتھال پر اعتماد ہے؟"

"ہاں۔۔۔!"

"آخر اُس کی وجہ۔۔۔!"

"میں نے بتایا نا کہ وہ میرے باپ کا دوست ہے۔"

"لیکن تمہارے پاس اس کے لیے کوئی دلیل نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"پھر بھلا خواہ مخواہ اُسے خود کو اُن کا دوست ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ "

"مُمکن ہے کہ اُس رومال کو حاصل کرنے کے لیے اُس نے ایسا کیا ہو۔" فریدی نے کہا۔

فضیل کُچھ سوچنے لگا۔

"یہ سب کُچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔!" وہ تھوڑی دیر بعد اُکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"بہر حال یہ تو مُجھے دیکھنا ہے۔" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگئی۔"

حمید اور فریدی تہہ خانے سے واپس آ گئے۔

حمید کا رقیب

"یکایک وہ گونگا بول کیسے پڑا تھا؟" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"میں نے اُس کے پِن چُبھا دیا تھا۔" فریدی نے جواب دیا۔

"کمال کیا آپ نے۔۔۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو شاید وہ گونگا ہی بنا رہتا۔"

"شاید آپ لوگ عربی میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"اور اگر تم اُس گفتگو کا ماحصل سُن لو تو اچھل ہی پڑو گے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"کُچھ بتایئے بھی تو۔۔۔!" حمید بے صبری سے بولا۔

فریدی نے مُختصر الفاظ میں اُسے اپنی اور فضیل کی گفتگو کا مطلب بتایا۔

"تو کیا یہ واقعہ آپ کو کسی خاص راستے کی طرف لے جائے گا؟" حمید نے پوچھا۔

"راستے کی طرف نہیں البتّہ یہ پگ ڈنڈی کی طرف اشارہ ضرور کرتا ہے۔۔۔ اور وہ پگ ڈنڈی ایک تیرہ و تار جنگل کی طرف جاتی ہے جہاں پہنچ کر راستے کا تعیّن خود ہمیں کرنا پڑے گا۔"

"غالباً آپ کا اشارہ سر بنتھال کی طرف ہے۔" حمید نے کہا۔

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے سوچتے ہوئے کہا۔

"علی فضیل کا قتل کسی ایسی جگہ ہوا تھا جس کے متعلّق مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ وہ بد ارواح کا مسکن ہے۔ محمد فضیل کا بیان بھی اُسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔۔۔ مُجھے اُس مقام کا نام نہیں یاد رہا لیکن اتنا یاد ہے کہ یہ واقعہ مِصر کے کسی ساحلی دیہی علاقے میں پیش آیا تھا۔۔۔ لیکن سر بنتھال۔۔۔ اُس کی شخصیت کا اِس واقعے سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے۔۔۔ تُم نے مُجھے بتایا تھا کہ وہ کئی دِنوں تک

فیشن ایبل نوجوان عورتوں کے رومال چراتا رہا۔ اس سے اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ حسینہ کو نہیں پہچانتا تھا۔"

فریدی خاموش ہو کر کُچھ سوچنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ بولا۔

"سر بنتھال فضیل کو بھی ٹھکانے لگا دینا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن آخر کیوں۔۔۔ وہ رومال کیسا ہے جس کے لیے تین قتل ہو گئے۔"

"ارے ہو گا کوئی خزانے وزانے کا چکّر۔۔۔ اور پھر مِصر تو بڑا پُر اسرار ملک ہے۔۔۔ وہ رومال کیسا وہ پیتل کی مورتی بھول گئے۔"حمید نے کہا۔

"مصر قطعی پُر اسرار نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "بعض انگریزوں کی بیمار ذہنیت نے اُسے پُر اسرار بنا دیا ہے۔ ہم لوگ عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں میں ضعیف الاعتقاد نہیں ہیں۔ حالانکہ پینتالیس فیصدی انگریز اتنے ضعیف الاعتقاد واقع ہوئے ہیں کہ اُن سے ہماری نانیاں اور دادیاں بھی پناہ مانگ جائیں۔"

"بہر حال یہ کوئی ایسا ہی معاملہ ہے۔"حمید نے کہا۔

”لیکن تمہیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ علی فضیل ایک فوجی جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم میں اس نے اطالویوں کے کئی مورچے تڑوا دیے تھے۔“

”اِس سے کیا ہوتا ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”کیا وہ کسی خزانے کے چکّر میں نہیں پڑ سکتا۔“

”دیکھو بیسویں صدی کے لوگ اتنے احمق نہیں ہوتے۔“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر آپ کیوں سر جارج کے ساتھ کچنار کے جنگلوں تک دوڑتے چلے گئے تھے۔“

”محض اُس مورتی کا راز جاننے کے لیے مُجھے خزانے کی توقّع پہلے ہی سے نہیں تھی۔“

”تو پھر اس طرح سمجھ بیٹھئے کہ اُس رومال کا راز جاننے کے لیے کسی نے تین آدمیوں کو قتل کر دیا۔“ حمید نے کہا۔

”اچھّا چلو یہی سہی۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”ذرا یہ تو بتاؤ۔۔۔!“

"نہیں میں کُچھ نہیں بتاؤں گا۔" حمید نے اُکتا کر کہا۔ "آپ یہ بتایئے کہ وہ آپ کے ہاتھ کیسے لگ گیا۔"

"بہت ہی حیرت انگیز طریقے پر۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "رات میں کلب سے اُٹھ کر سر بنتھال کی طرف نکل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں سر بنتھال کے بنگلے میں گھُس کر اس کی تلاشی لوں کہ دفعتاً مُجھے سر بنتھال اور فضیل بنگلے سے نکلتے ہوئے دِکھائی دیے۔ میں نے ارادہ ترک کر دیا۔ حالانکہ تلاشی لینے کے لیے وہ بہترین موقع تھا۔ لیکن میں فضیل کو دیکھ کر پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا کہ وہ مصنوعی ڈاڑھی لگائے ہوئے ہے۔ میں نے سوچا کہ ان کا تعاقب کرنا چاہیے اور میں کلب تک ان کے ساتھ گیا۔ تم نے مُجھے نہیں دیکھا۔ میں صدر دروازے کے قریب رکھے ہوئے بڑے گُل دان کی اوٹ میں بیٹھ گیا تھا۔۔۔ گلی میں تم سر بنتھال کے جوتوں کی آواز پر آگے بڑھ گئے اور مُجھے ٹیوی سے اُلجھنا پڑا۔۔۔ سر بنتھال چلتے وقت فضیل کو اُس کے حوالے کر کے خود آگے بڑھ گیا تھا۔ تمہاری طرح میں بھی دھوکا کھا جاتا لیکن ٹیوی نے اُس کا راز افشا کر دیا۔ وہ سمجھا تھا کہ

شاید گلی بالکل سُنسان ہے اِس لیے اُس نے نہایت اطمینان سے اپنی ٹارچ استعمال کی۔"

"وہ فضیل کو کاندھے پر اُٹھائے ہوئے اپنے مکان میں داخل ہی ہو رہا تھا کہ میں اُس پر ٹوٹ پڑا۔ ایک ہاتھ سے میں نے فضیل کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے ٹیوی کا مُنہ دبا کر سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ اس طرح وہ آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گیا۔۔۔ اور پھر۔۔۔۔ اور پھر تو تم جانتے ہی ہو کہ میرے تہہ خانے میں کتنی کہانیاں جنم لے چکی ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اُس کی آنکھیں میز پر رکھے ہوئے ایش ٹرے پر جمی ہوئی تھیں۔

حمید اپنے پائپ میں تمباکو بھر رہا تھا۔

"تو پھر اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہو گا؟" حمید نے فریدی سے پوچھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "تم اس کیس میں بہت دلچسپی لے

رہے ہو۔"

"وجہ یہ ہے کہ آج کل میں اپنی زندگی سے کُچھ بیزار سا ہو رہا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"اچھّا۔۔۔ خیریت تو ہے؟"

"کُچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی آگئی تھی۔ فریدی حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ آج سے پہلے کبھی اُس نے حمید کو اس موڈ میں نہ دیکھا۔ پہلے تو وہ سمجھا کہ یہ بھی اس کی کوئی نئ مکّاری ہے اور اُسے کوئی نئ شرارت سوجھی ہے۔ لیکن پھر اُس نے اپنا خیال بدل دیا۔

حمید قطعی سنجیدہ تھا۔

"آخر بات کیا ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کُچھ نہیں۔۔۔!" حمید بیزاری سے بولا۔ "لیکن میں اُن دونوں کو کسی مُصیبت

میں پھنسادوں گا۔"

"کن دونوں کو۔۔۔!"

"کیا آپ کو نہیں معلوم کہ شہناز آج کل ایک کیپٹن کے ساتھ دیکھی جارہی ہے؟" حمید بسور کر بولا۔

"اوہ بڑی خوشی ہوئی۔ خُدا اُس کیپٹن کی مغفرت کرے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"آپ میرا مضحکہ اڑارہے ہیں؟" حمید بگڑ کر بولا۔

"خُدا کا شکر ہے کہ تُم ایک بہت بڑے وبال سے بچ گئے۔" فریدی نے کہا۔

"خُدا کی قسم میں دونوں سے سمجھ لوں گا۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔" فریدی نے کہا۔ "تمہیں صرف ایک عورت چاہیئے خواہ اس کا نام شہناز ہو خواہ کُچھ اور۔"

"نہیں اب مُجھے کوئی عورت نہ چاہیئے۔" حمید بھنّا کر بولا۔

"الحمد اللہ۔۔۔!"

"اسی لیے میں اس کیس میں دلچسپی لے رہا ہوں۔" حمید بولا۔ "اب میں۔۔۔ اب میں۔۔۔"

"ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ میرے دیو داس۔ کہیں کوئی بڑی سی قسم نہ کھا بیٹھنا۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "آخر وہ کیپٹن ہے کون؟"

"کیپٹن خاور۔۔۔!"

"کیپٹن خاور۔۔۔!" فریدی اُچھل کر بولا۔ "وہی تو نہیں جو مون اسٹریٹ میں رہتا ہے؟"

"وہی۔۔۔ وہی۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔!" فریدی نے کہا اور اس کی پلکیں بھنچ گئیں اور پھر وہ میز پر ایک زور دار گھونسا مار کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔۔۔ ہاں میں بول رہا ہوں۔۔۔ فریدی۔۔۔ ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ اوہ۔۔۔ ٹیوی جہاں جاتا ہے اُسے جانے دو۔۔۔ لیکن تُم اُن دونوں پر کڑی نظر رکھنا۔۔۔ بہت اچھّا۔۔۔!"

فریدی ریسیور رکھ کر حمید کی طرف مُڑا۔

"لو بھئی اِن دونوں میں سے ایک تو خود بخود مُصیبت میں پھنس گیا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" حمید چونک کر بولا۔

"کیپٹن خاور۔۔۔!"

"میں کُچھ نہیں سمجھا۔" حمید مضطربانہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور ایک انگریز ملٹری آفیسر کے ساتھ ٹیوی کے مکان سے نکلتا دیکھا گیا ہے۔ میں اس سے پہلے بھی دو ایک بار اُسے سر بنتھال کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔۔۔ کیپٹن خاور اور شہناز اور حمید۔۔۔ حمید۔۔۔ اور فریدی۔۔۔ خدا کی

قسم سر بنتھال نے بڑا بھیانک جال بچھایا ہے۔"

"تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ سر بنتھال نے ہم لوگوں پر نظر رکھنے کے لیے یہ چال چلی ہے۔" حمید نے بے ساختہ کہا۔

"میں یہی سمجھنے پر مجبور ہوں۔ اُس نے اِس واردات سے پہلے ہی ہم لوگوں کا انتظام کر لیا ہے۔"

حمید کُچھ سوچنے لگا۔

"شہناز کو تُم خاور کے ساتھ کب سے دیکھ رہے ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"دو تین دِن سے۔" حمید نے کہا۔ "وہ دونوں کل رات بھی ہائی سرکل کلب میں آئے تھے۔ شہناز نے شاید مُجھے نہیں دیکھا تھا یا پھر نظر انداز کر گئی تھی۔"

"کیا سر بنتھال حسینہ کے قتل اور رومال کے حصول کے علاوہ بھی کوئی اور حرکت کرنے والا تھا؟"

”کیوں۔۔۔؟“

”اگر اُس نے خاور کو حسینہ کے قتل سے پہلے ہی شہناز کے پیچھے لگا دیا تھا تو اُس کا یہی مطلب ہوا کہ وہ حسینہ کو پہچانتا تھا۔“

”اور اگر ایسا تھا تو وہ پھر اوروں کے رومال کیوں چرا تا رہا؟“

فریدی پھر خاموش ہو گیا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حمید سے بولا۔

”تم آج شہناز سے ملو۔“

”میں ہر گز نہ ملوں گا۔“

”کیا بچّوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔۔۔ میرا خیال شاذ و نادر ہی غَلَط نکلتا ہے۔“

”میں اُس سے مل کر کروں گا کیا؟“

”محض یہ مارک کرنا میرا خیال کہاں تک صحیح ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور ہاں خود سے یہ نہ ظاہر ہونے دینا کہ تم خاور کو اس کے ساتھ دیکھ چکے ہو۔“

"لیکن کیا وہ حقیقتاً ہمیں دھوکا دے گی؟" حمید نے بے تابی سے کہا۔

"نادانستہ طور پر وہ ہمیں ضرور دھوکا دے سکتی ہے۔"

"یعنی۔۔۔!"

"تمہارے ذریعہ۔ کہنے کا مطلب یہ کہ شہناز کو کسی اہم معاملے کے متعلّق کُچھ نہ بتایا۔" فریدی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ باتوں ہی باتوں میں کُچھ اگل دے۔"

"میں نے کبھی اُس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔" حمید نے کہا۔ "اور اب تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں رہ گیا۔"

"خیر یہ ایک اچھّی بات ہے۔" فریدی نے کہا۔ "تُم اُس وقت تک کام کے آدمی نہیں ہو سکتے جب تک کہ جنسی بے چارگی میں مُبتلا نہ ہو جاؤ۔۔۔ اگر شہناز ایسی نہیں بھی ہے تو تم یہ سوچنے کی عادت ڈالو کہ وہ تمہیں دھوکا دے رہی ہے۔۔۔ اس طرح تم ایک قسم کی جھلّاہٹ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔۔۔ اور یہ جھلّاہٹ تمہیں

خطر پسندی کی طرف لے جائے گی۔۔۔ پھر جہاں تم اس حد تک پہنچے۔۔۔ سارا کام بن جائے گا۔۔۔ کیا سمجھے۔"

حمید کوئی جواب دیے بغیر اُٹھ گیا۔ لیکن اُس کے انداز میں ناگواری کا شائبہ تک نہ تھا۔

تہہ خانے میں دھماکہ

حمید کے جانے کے بعد فریدی نے فون پر کسی کو کُچھ ہدایات دیں اور کپڑے پہن کر باہر چلا گیا اس کی کار شہر کی بارونق سڑکوں پر دوڑتی پھر رہی تھی اور خود وہ خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے کار آفس کی طرف گھمادی۔

ابھی وہ اپنی میز پر بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپر نٹنڈنٹ کے چپراسی نے صاحب کا ''سلام دیا'' فریدی اس کے کمرے میں پہنچا۔ سپر نٹنڈنٹ کُچھ مُضطرب سا نظر آ رہا تھا۔ فریدی کو دیکھتے ہی اُس نے اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”تمہارے اسٹنٹ کی وجہ سے محکمے کی بڑی بدنامی ہو رہی ہے۔“سپر نٹنڈنٹ نے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”وہ ٹیوی کے مکان میں کیوں گھُسا تھا۔“

”میں نے بھیجا تھا۔“فریدی نے کہا۔

”لیکن آخر کیوں۔“سپر نٹنڈنٹ جھنجھلا کر بولا۔

”دلکشا ہوٹل کے حادثات کے سِلسلے میں میرا یہ ایک طریق کار تھا۔“

”لیکن ابھی وہ کیس باضابطہ طور پر ہمارے پاس نہیں آیا۔“

”ایک نہ ایک دِن تو اُسے آنا ہی ہے۔“فریدی مُسکرا کر بولا۔”یہ سول پولیس کے بس کا روگ نہیں۔“

”تو تُم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس کی تفتیش کا کام تمہارے ہی سپرد کیا جائے

گا۔"

"اس لیے کہ عموماً یہاں کا یہی رواج ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"تو اس کا یہ مطلب ہے یہاں تمہارے علاوہ اور سب گدھے ہیں۔" سپرنٹنڈنٹ جھلّا کر بولا۔

فریدی نے ایک تیز نظر سپرنٹنڈنٹ پر ڈالی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"دوسرا چارج تمہارے اسسٹنٹ کے خلاف یہ ہے کہ وہ شہر کی شریف لڑکیوں کو پریشان کرتا ہے۔"

"جی۔۔۔!" فریدی نے چونک کر کہا۔

"ابھی ایک آدمی نے فون پر اس کی شکایت کی ہے۔"

"کون ہے وہ۔۔۔!" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن خاور۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ "وہ بہت غصّے میں تھا۔ اُس نے بتایا کہ

حمید اس کی منگیتر۔۔۔کیا نام ہے اس کا۔۔۔میں نام بھول گیا۔"

"شہناز۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"ہاں ہاں تو تمہیں اس کا علم ہے؟" سپر نٹنڈ نٹ نے تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "لیکن آپ ذرا اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔۔۔وہ کُچھ دِن پہلے حمید کی بھی منگیتر رہ چکی ہے۔"

"میں یہ سب نہیں جانتا۔" سپر نٹنڈ نٹ بگڑ کر بولا۔ "لیکن میں اپنے محکمے کی بد نامی نہیں برداشت کر سکتا۔"

"تو اس سِلسلے میں آپ پھر کیا کریں گے؟" فریدی مُسکرا کر بولا۔

سپر نٹنڈ نٹ جو ابھی حال میں یہاں آیا تھا فریدی کے اس انداز گفتگو پر چِڑ سا گیا۔

"تم یہ بھی نہیں جانتے کہ آفیسروں سے کس طرح بات کی جاتی ہے۔"

"میں اچھّی طرح جانتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں تمہاری رپورٹ کروں گا۔"

"بہتر ہے۔۔۔ آپ کے اوپر والے مُجھے آپ سے زیادہ جانتے ہیں۔" فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل آیا۔

فریدی اپنی میز پر آکر فائلوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہو گیا۔ چڑچڑے آفیسر کی گفتگو سے اس کی طبیعت بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ ان چیزوں کا عادی نہیں تھا۔

جس محکمے کا انسپکٹر جنرل تک اُس کی عزّت کرتا ہو اس سپرنٹنڈنٹ کی بھلا اس کی نظروں میں کیا وقعت ہو سکتی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے کے بعد ڈی آئی جی کا اردلی اس کی میز کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

ڈی آئی جی نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا اور ڈی آئی جی نے حسب سابق اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

"مسٹر فریدی میرا خیال ہے کہ آج کل کُچھ زیادہ مصروف نہیں ہو۔"

”آپ کا خیال درست ہے۔“

”بھئی وہ لو دلکشا ہوٹل والا کیس ہمارے پاس آگیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی تفتیش تم کرو۔ معاملہ بہت زیادہ اُلجھا ہوا ہے۔“

”جیسا آپ فرمائیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”کیا آپ براہِ راست مُجھے یہ کیس دے رہے ہیں؟“

”ہاں میں نے سپرنٹنڈنٹ کے توسط سے دینا مناسب نہیں سمجھا۔“

فریدی مُسکرا کر خاموش ہو گیا۔

”دیکھو بھئی۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ یہاں نووارد ہے۔۔۔ اور سول پولیس سے اِس محکمے میں آیا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم خود سمجھدار اور تجربہ کار ہو۔“

”مُجھے کوئی شکایت نہیں۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔

دفتر کی گھڑی نے چار بجائے اور فریدی گھر واپس آگیا۔ حمید اس کا انتظار کر رہا

تھا۔

"کہو بھئی کیا خبر لائے؟" فریدی نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور خواہ مخواہ اس کے گلے پڑ گیا۔" حمید نے کہا۔

"یعنی۔۔۔!"

"کُچھ دِن قبل دونوں اتّفاقیہ طور پر مل گئے تھے۔ تب سے خاور اس کے پیچھے پڑ گیا ہے۔ وہ طرح طرح کے بہانے تراش کر اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"ہوں۔۔۔؟" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔ "آثار کُچھ اچھّے نہیں۔"

اور پھر اُس نے اپنی اور سپرنٹنڈنٹ کی گفتگو کے متعلّق حمید کو بتایا۔ حمید حیرت سے ہنستا رہا۔

"اس کا مطلب سمجھتے ہو؟" فریدی نے کہا۔

”نہیں۔۔۔ میں کُچھ نہیں سمجھ سکا۔“

”کیپٹن خاور کا بھی وہی حشر ہونے والا ہے جو لڑکی سے رومال چھیننے والے مزدور کا ہوا۔“

”یہ کیوں۔۔۔!“

”کوئی اُسے بے وقوف بنا کر اپنا کام نکال رہا ہے۔“

”اوہ سمجھا۔“ حمید نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”مگر تمہاری پوزیشن اس سے خطرے میں پڑ جائے گی۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔!“

”خاور تمہیں بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ اگر وہ مارا گیا تو لامحالہ تمہارا نام ضرور لیا جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”مگر شہناز تو اس کی تردید کرے گی۔“ حمید نے جلدی سے کہا۔

"اور اگر اُسے بھی غائب کر دیا گیا تو؟" فریدی نے کہا۔ "یہ مت سمجھو کہ مجرم دھوکے میں ہیں۔"

"قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ہماری مشغولیات کا عِلم ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید نے کہا۔ "ہم لوگ چوہے دان میں پھنس گئے۔"

"ہشت۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "میں ایسا نہیں سمجھتا۔" حمید نے کوئی جواب نہیں دیا وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

"واقعی میری پوزیشن خطرے میں پڑ گئی ہے۔" حمید نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ "کیوں نہ شہناز کو کہیں ہٹا دیا جائے۔"

"ناممکن۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے اپنا ایک خیال ظاہر کیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ صحیح کہاں تک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میرا خیال غَلَط ہو۔۔۔!"

"آپ کا خیال کبھی غَلَط نہیں ثابت ہوا کرتا۔" حمید نے مُضطربانہ انداز میں کہا۔

”خیر چھوڑو اِن باتوں کو۔۔۔ آج رات کو ہمیں سر بنتھال کے لیے کُچھ نہ کُچھ کرنا چاہیے۔“

”جو کہیے وہ کیا جائے۔“ حمید بولا۔

”سر بنتھال کے گھر کی تلاشی لینا ضروری ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن اُس نے گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہی کیوں ہو گی۔“ حمید نے کہا۔

”مجُھے اُس رومال کی جستجو نہیں ہے۔“ فریدی بولا۔

”کوئی ایسی چیز جس سے میں اُسے قانونی شکنجے میں جکڑ سکوں۔“

”تو وہ رومال کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے؟“

”رومال۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”عجیب آدمی ہو۔ کیا تم مقتولہ کا رومال پہچانتے ہو؟“

”نہیں۔۔۔!“

"پھر۔۔۔!"

"میں شدید قسم کے انتشار میں مبتلا ہوں۔"

"کیوں۔۔۔!"

"ارے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔" حمید جھلّا کر بولا۔

"بگڑو نہیں، برخوردار۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "ذہنی انتشار بلا وجہ ہے۔ میں تمہیں اتنا کمزور نہیں سمجھتا تھا۔"

"مُجھے اپنی پرواہ نہیں۔۔۔ مگر۔۔۔!"

"شہناز۔۔۔!" فریدی تضحیک آمیز انداز میں مُسکرایا۔

حمید خاموش ہو گیا۔

باہر اندھیرا پھیل گیا تھا۔۔۔ یہ دونوں گفتگو میں اس درجہ مشغول تھے کہ انہیں کمرے میں روشنی کرنے کا بھی خیال نہ رہا۔ فریدی کرسی سے اُٹھا۔ وہ سوئچ بورڈ

کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً پوری عمارت ایک عجیب قسم کی گُونج سے گُونج اُٹھی۔۔۔اور پھر ایک جھٹکا سا محسوس ہوا اور درو دیوار جھنجھنا اُٹھے۔ فریدی نے جلدی سے کمرے میں روشنی کر دی اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

حمید احمقوں کی طرح اس کا مُنہ تک رہا تھا۔ بر آمدے میں نوکروں کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ ایک پل کے لیے فریدی سنّاٹے میں آ گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی حالت میں عجیب و غریب تغیّر پیدا ہو گیا۔ وہ زخمی بھیڑیے کی طرح غرّا کر تہہ خانے کی طرف جھپٹا۔ حمید اس کے پیچھے تھا۔ بر آمدے میں سارے نوکر کھڑے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھ رہے تھے۔ فریدی اور حمید کو اس حال میں دیکھ کر ان کی حیرت اور بڑھ گئی۔ لیکن اُن میں سے کوئی اس جگہ سے ہلا نہیں۔ حمید اور فریدی تہہ خانے والے کمرے میں آئے۔ فریدی نے فرش پر بچھی ہوئی قالین اُلٹ دی اور دوسرے ہی لمحے میں چونک کر پیچھے ہٹ گیا۔ تہہ خانے کے ڈھکن کی درزوں سے دھوئیں کی پتلی پتلی لکیریں نکل کر کمرے کی فضا میں منتشر ہو رہی تھیں۔

فریدی نے حمید کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا اور تہہ خانے کا ڈھکن کھول کر خود بھی کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر دھوئیں کا ایک امنڈتا ہوا بادل دروازے کی طرف جھپٹا۔

حمید اس کا مطلب سمجھ چکا تھا۔۔۔ اُس نے اپنا پستول نکال کر اُس کی نال دروازے کی طرف گھمادی۔

"بے سود۔۔۔ قطعی بے سود۔۔۔!" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ہم دھوکا کھا گئے۔۔۔!"

تھوڑی دیر کے بعد دھواں ختم ہو گیا۔۔۔ فریدی اور حمید پھر کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بارود کی بدبو پھیلی ہوئی تھی۔

اور پھر وہ تہہ خانے میں آئے، جو بالکل خالی تھا۔۔۔ میز پر ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس پر عربی زبان میں کُچھ تحریر تھا۔ فریدی اُسے پڑھنے لگا۔۔۔ اور ایک بار پھر وہ کسی زخمی درندے کی طرح پیچ و تاب کھانے لگا۔

"اچھّا۔۔۔اچھّا۔۔۔دیکھا جائے گا۔۔۔فریدی لونڈا نہیں۔" وہ آہستہ سے بولا۔

حمید حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"نکل گیا۔۔۔!" حمید نے کہا۔

فریدی کوئی جواب دینے کے بجائے لپک کر کمرے کا فرش دیکھنے لگا۔

"اوہ۔۔۔!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور پھر وہ سیدھا کھڑا ہو کر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

"مُجھ سے بڑا احمق آج تک نہ پیدا ہوا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا وہ استفہامیہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"آؤ چلیں۔۔۔!" فریدی نے کہا۔

دونوں تہہ خانے سے چلے آئے۔

"اس کاغذ پر کیا لکھا ہے؟" حمید نے پوچھا۔

فریدی پڑھ کر اُسے سمجھانے لگا۔۔۔!

محترم سراغ رساں!

تم خواہ مخواہ بیچ میں آ ٹپکے۔۔۔ میں تو سر بنتھال کو ایک شاندار سبق دینے جا رہا تھا۔ ہر وہ شخص جو اس رومال کا راز جاننے کی کوشش کرے گا اس کا یہی حشر ہو گا۔ میں نے محض اس لیے تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچایا کہ تُم بھی سر بنتھال کے پیچھے پڑے ہوئے ہو۔ اس رومال کو اپنے پاس رکھنے والے کی سزا موت ہے اور اِس کا راز جاننے کی کوشش کرنے والے کو بھی تھوڑی بہت سزا ضرور دی جاتی ہے۔ تمہارے لیے فی الحال یہی صدمہ کافی ہے کہ تُم دھوکا کھا سکے۔ سر بنتھال کو اِس سے زیادہ بھگتنا پڑے گا۔۔۔ دیکھ لو دھواں بن کر تمہارے تہہ خانے سے جا رہا ہوں۔۔۔ خیر تھوڑی سی ہسٹری اُس رومال کی بھی سُن لو۔ علی فضیل نے ایک پرانے مقبرے سے وہ رومال کھود کر نکالا تھا۔۔۔ دو ہزار سال پرانے مقبرے سے۔۔۔ فرعون سوئم کی بیٹی لامیا کے مقبرے سے۔۔۔ فرعون کی وہ بیٹی جو سانپ پالتی تھی۔۔۔ فرعون کی وہ بیٹی جو زہریلے سانپوں کے منہ میں اپنی

زبان ڈال دیتی تھی۔ فرعون کی وہ بیٹی جس کا سارا جسم سانپ چاٹتے تھے۔۔۔ اور جب علی فضیل نے اُس کا رومال کھود نکالا تو ایک بہت بڑا اژدھا اُس کے پیچھے لگ گیا اور پھر ایک دِن اُس نے اُسے اِس طرح چیر کر پھینک دیا جیسے کوئی شریر بچّہ کسی ننھّی سی چڑیا کی ٹانگیں نوچ ڈالتا ہے۔۔۔ رومال مصر قدیم کے بعض اہم رازوں سے تعلّق رکھتا ہے اِس لیے اُس کے پیچھے پڑنے والے کی سزا موت ہے۔۔۔ خوفناک روحیں اس کی محافظ ہیں۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ حمید سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لغویت اور بکواس۔۔۔!" فریدی خلا میں گھورتا ہوا بڑبڑایا۔

"میں بھی ضعیف الاعتقاد نہیں۔۔۔ مگر۔۔۔" حمید کُچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"تہہ خانے سے دھواں بن کر نکل جانے والی کوئی بد روح تھی۔" فریدی نے طنزیہ انداز میں حمید کا جملہ پورا کر دیا۔

"پھر اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

”روحیں نقلی ڈاڑھیاں نہیں لگاتیں۔۔۔روحیں کسی مزدور کو سوٹ پہنا کر اُسے پستول کی گولی کا نشانہ نہیں بناتیں۔۔۔!“

”مگر۔۔۔مگر۔۔۔دھواں۔۔۔!“حمید ہکلایا۔

”ایک چھوٹا سا ٹائم بم جو اُس نے کہیں چھپا رکھا تھا۔“

”ہم لوگوں کی عدم موجودگی میں کسی طرح تہہ خانے سے نکل گیا اور ٹائم بم ڈالتا گیا۔۔۔اور وقتِ معینہ پر بم پھٹ گیا۔۔۔چونکہ وہ ایک بند جگہ میں پھٹا تھا اس لیے دھماکے کے بجائے صرف ہلکی سی گونج اور گھڑگھڑاہٹ سُنائی دی۔ بم زیادہ طاقتور نہیں تھا ورنہ کمرے کا فرش بیٹھ جاتا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ سر بنتھال کے علاوہ کوئی اور بھی اس رومال میں دلچسپی ہی نہیں لے رہا بلکہ حقیقتاً اِس رومال پر قابض بھی ہے۔“حمید نے کہا۔

”یہ ایک نیا معمّہ پیدا ہو گیا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”لیکن سر بنتھال کی پوزیشن میرے ذہن میں صاف نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اُس نے اسی مقصد کے تحت اس آدمی کو ٹیوی کے حوالے کیا تھا۔ اُس سے وہ رومال زبردستی حاصل کرلے۔“حمید بولا۔

”یہ تو ظاہری بات ہے۔“ فریدی بولا۔ ”لیکن میں اس سے مطمئن نہیں۔“

”اس لیے کہ تمہارے بیان کے مطابق اُس رات کو سر بنتھال نے کسی کا رومال غائب نہیں کیا تھا جس رات وہ رومال حسینہ سے چھینا گیا۔“

حمید کُچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔

”کیا یہ مُمکن نہیں۔ وہ مزدور سر بنتھال کا آدمی رہا ہو جو رومال چھین کر بھاگا تھا اور پھر اُسے کسی دوسرے آدمی نے ہلاک کر کے رومال اس سے حاصل کر لیا ہو۔۔۔ اس طرح سر بنتھال اپنی کوششوں کے باوجود بھی محروم رہ گیا ہو۔“

”یہ بھی ہو سکتا ہے۔“ فریدی نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر بولا۔

”لیکن تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سر بنتھال ہم لوگوں سے بے خبر نہیں تھا۔“

”کیوں۔۔۔؟“

”اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اتنے موٹے شکار کو دوسروں پر چھوڑ کر خود وہاں سے چلا نہ جاتا۔“

فریدی نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں دبے ہوئے جوش کی جھلکیاں نظر آنے لگیں اور وہ اُٹھ کر کھڑا ہوا۔

”لیکن ٹھہرو!“ اُس نے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ٹیوی اِس وقت وہاں کیا کر رہا تھا۔ تو اس کا مطلب یہ کہ وہ ایک سوچی سمجھی ہوئی اسکیم تھی۔۔۔ اوہ۔۔۔ حمید ہم لوگ بالکل گدھے ہیں۔۔۔ پرلے سِرے کے احمق۔۔۔ لیکن اتنا یاد رکھو کہ کیپٹن خاور چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔“

”معلوم نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“ حمید اُکتا کر بولا۔ ”سر بنتھال سے آپ کیپٹن خاور پر آگئے۔“

”ٹھہرو۔۔۔“ فریدی نے ٹیلی فون کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اُس نے ریسیور اٹھا کر ڈائل گھماتے ہوئے کہا۔ ”انکوائری۔۔۔ مِصری سفارت خانہ۔۔۔ شرف العزیز۔۔۔ یہیں ہیں۔۔۔ اُن کے بنگلے کا فون نمبر کیا ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اچھّا شکریہ۔“ فریدی نے ڈس کنکٹ کر کے دوبارہ نمبر ملائے ”ہیلو۔۔۔ کیا شرف العزیز ہیں۔۔۔ میں انسپکٹر فریدی بول رہا ہوں۔۔۔ وعلیکم السّلام۔۔۔ میں تھوڑی سی تکلیف دینا چاہتا ہوں۔۔۔ اِس دوران میں کسی نے مصر جانے کے لیے ویزا کی درخواست تو نہیں دی۔۔۔ ہوں۔۔۔ اور کوئی ذرا ٹھہرو۔۔۔ میں نوٹ کروں گا۔۔۔ کیا نام بتایا تھا۔۔۔ ہاں۔۔۔ اچھّا اچھّا۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ اچھّا شکریہ۔۔۔ کل ہم لوگ دلکشا میں چائے بھی پئیں گے اور کھانا بھی کھائیں گے۔ بہت دِنوں سے تُم سے ملاقات نہیں ہوئی۔۔۔ میڈم وزئیل ثریّا فیروزاں کو بھی میری طرف سے کہہ دینا۔۔۔ اچھّا۔۔۔ والسّلام۔۔۔!“

فریدی ریسیور رکھ کر مُڑا۔۔۔ اس کے چہرے پر مُسکراہٹ تھی۔

"اور سُنا تُم نے۔" وہ حمید سے بولا۔ "سر بنتھال مصر جا رہا ہے۔ اُس نے مِصری سفارت خانے میں ویزا کے لیے درخواست دی ہے۔"

"دی ہو گی۔" حمید جھلّا کر بولا۔ "مُجھے تو کیپٹن خاور کی ہونے والی موت کا غم کھائے جا رہا ہے۔"

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "اپنے رقیب سے اتنی محبّت کرتے ہو۔"

"محبّت نہیں بلکہ خواہ مخواہ کی پھانسی سے ڈرتا ہوں۔" حمید نے اُکتا کر کہا۔ "کس جنجال میں پھنس گیا۔"

"ڈرو، نہیں پیارے، تُم خواہ مخواہ کیوں مرے جا رہے ہو۔۔۔ یہ سب مُجھ پر چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جاؤ۔"

"کام۔۔۔! اب کیا کام ہے؟"

"شہناز کو کہیں غائب کر دو۔" فریدی نے کہا۔

”غائب کہاں کر دوں۔۔۔یہیں لا کر تہہ خانے میں۔“

”جی نہیں۔“ فریدی نے کہا۔”تہہ خانے کا راز افشا ہو چکا ہے۔“

”پھر۔۔۔!“

حمید کُچھ کہنے ہی والا تھا کہ دفعتاً ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اُٹھا لیا۔

”ہیلو۔۔۔ فریدی بول رہا ہے۔۔۔ اوہ آپ۔۔۔ جی۔۔۔ کیا۔۔۔ ہاں ہاں۔۔۔ حمید یہاں اس وقت میرے پاس موجود ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو میرا خیال صحیح نکلا۔۔۔ خیر خیر یہ ثابت کرنا تو میرا کام ہے۔۔۔ آپ مطمئن رہیں۔۔۔اُس کی یا میری ملازمت پر ذرّہ برابر بھی آنچ نہیں آسکتی۔۔۔ خیر خیر۔۔۔!“

فریدی ریسیور رکھ کر مُڑا۔ وہ قدرے متفکّر نظر آرہا تھا۔

”کون تھا۔۔۔؟“حمید نے پوچھا۔

”ہمارے سپرنٹنڈنٹ صاحب۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔”شہناز غائب ہو گئی ہے اُس کے خالہ زاد بھائی کیپٹن خاور نے مشکوک لوگوں میں تمہارا اور میرا نام

بھی لکھا دیا ہے۔"

"مگر وہ تو کہتی تھی کہ وہ اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پولیس کو اِس سے کیا غرض۔ اُس نے پولیس کو تو اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔۔۔!" حمید۔

"بہت بُرا۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اتنا بُرا کہ شائد اب جلد ہی تمھیں کیپٹن خاور کی بھی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

ایک لٹیرا

”جہنّم میں گیا خاور۔“ حمید بے چینی سے بولا۔ ”شہناز کے لیے کیا کیا جائے۔“

”گھبراؤ نہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ سر بنتھال کو مِصر جانے کے لیے اُس وقت تک ویزا نہیں مل سکتا جب تک میں نہ چاہوں۔“

”تو کیا یہ سر بنتھال ہی کی حرکت ہے؟“

”میں یہی سمجھتا ہوں۔“

”لیکن وہ تہہ خانے والا۔“

"فی الحال اُسے بھول جاؤ۔"

"لیکن آخر سر بنتھال ہمیں کیوں پھنسانا چاہتا ہے۔" حمید نے اُکتا کر پوچھا۔

فریدی کُچھ سوچنے لگا۔

"لیکن آخر یہ سپر نٹنڈنٹ کا پٹھّا ہم لوگوں کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"خیر۔۔۔اُس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خیر دیکھا جائے گا۔ آٹھ بج رہے ہیں۔۔۔ چلو کھانا کھائیں۔"

کھانے کے دوران میں حمید خاموش رہا۔۔۔ فریدی بھی کُچھ نہیں بولا۔

"تُم اتنے خاموش خاموش کیوں ہو۔" فریدی کھانا کھا چُکنے کے بعد بولا۔

"بھئی شہناز کا معاملہ مُجھ پر چھوڑ دو۔۔۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ تم نے عشق سے توبہ کی تھی۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اور یہ تو بڑا اچھّا ہوا۔۔۔ اب تم بھی کُچھ ہاتھ پیر سیدھے کر سکو گے۔۔۔ ایک بار تم شہناز کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا چکے ہو اس بار پھر سہی۔"

"مُجھے اِس کا افسوس ہے کہ میری بدولت اُسے مصیبت جھیلنی پڑے گی۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"ارے عشق میں چنے کے لوہے ارے۔۔۔ لا حول۔۔۔ لوہے کے چنے چبانے پڑتے ہیں۔۔۔ اگر وہ تمہارے لیے اتنی سی مُصیبت جھیل ہی لے جائے گی تو کیا ہو جائے گا۔"

"آپ خواہ مخواہ میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔" حمید بُرا مان کر بولا۔ "آپ پر کبھی گزری ہوتی تو معلوم ہوتا۔"

"اُف۔۔۔ کیا بات کہہ دی ہے تُم نے۔" فریدی سینے پر ہاتھ مار کر بولا۔ "اِس دل پر تو ایسی گزری ہے کہ خدا دُشمن کو ضرور نصیب کرے۔"

حمید احتجاجاً اُٹھ کر وہاں سے جانے لگا۔ ”ٹھہرو۔۔۔!“ فریدی سخت لہجے میں بولا۔ ”تم بعض اوقات اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔ میں نے شہناز کا انتظام پہلے ہی کر لیا ہے۔“

حمید رُک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں نے کُچھ آدمیوں کو اُس کے مکان کی نگرانی کے لیے مقرّر کر دیا تھا۔ آج دفتر میں سپرنٹنڈنٹ سے گفتگو کرنے کے بعد ہی میں نے یہ اقدام کیا تھا۔ وہ جہاں بھی لے جائی گئی ہو گی مُجھے اُس کی اِطّلاع مل جائے گی۔“

”اگر اُسے بھی ختم کر دیا گیا تو۔۔۔!“ حمید نے کہا۔

”تو پھر میں تم دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرا دوں گا۔“ فریدی نے بیزاری سے کہا اور اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

حمید خاموشی سے ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

”جاؤ نا جا کر کیپٹن خاور کے گریبان میں ہاتھ ڈال دو۔۔۔!“ فریدی اُس کی طرف

مُڑ کر ناخوشگوار لہجے میں بولا۔

"آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو جاتے ہیں۔"

فریدی کُچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک برقعہ پوش عورت آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" اس نے کہا۔

"برقعہ پوش عورت۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "اچھّا اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔"

نوکر چلا گیا۔

"یہ برقعہ پوش عورت کون ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

اُس نے حمید کو ساتھ آنے کے لیے اشارہ کیا اور ڈرائنگ روم کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک عورت جس نے خود کو سر سے پیر تک سیاہ برقعے میں چھُپا رکھا تھا۔ ڈرائنگ روم کے دروازے بند کر رہی تھی۔ فریدی اور حمید اُس کی اِس حرکت پر

متحیّر ہوئے بغیر نہ رہ سکے انہوں نے اتنی لمبی تڑنگی عورت آج تک نہ دیکھی تھی اور پھر آخر ڈرائنگ روم کے دروازے بند کرنے کا کیا مطلب تھا۔

فریدی کا ہاتھ بے اختیار اپنے کوٹ کی اُس جیب میں چلا گیا جس میں پستول تھا۔۔۔ عورت نے بالآخر دروازہ بھی بند کر دیا جس سے وہ لوگ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔۔۔ اور پھر اس نے نقاب اُلٹ دی۔

"اوہ" فریدی کے مُنہ سے بے اختیار نکلا۔ "کون جبّار خان۔"

"جی ہاں۔۔۔!" اُس نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اِس کا مطلب۔۔۔!" فریدی نے کڑے لہجے میں پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ جیل کی تنگ و تاریک کوٹھری میرا انتظار کر رہی ہے۔۔۔ لیکن وہ موت سے بہتر ہے۔ میں اسی لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔۔۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

"آخر بات کیا ہے۔" فریدی نے بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

”صرف آپ ہی مُجھے اِس مُصیبت سے نجات دِلا سکتے ہیں۔“

”کُچھ کہو بھی۔۔۔!“ حمید اُکتا کر بولا۔

”حسینہ کے قتل کا بھی کُچھ تھوڑا بہت ذمّہ دار ہوں۔“

”کون حسینہ۔۔۔!“ فریدی نے لاپروائی سے پوچھا۔

”وہی جو دلکشا ہوٹل میں قتل کر دی گئی تھی؟“

”اچھّا۔۔۔ ہوں تو گویا تم اقبالِ جُرم کر کے خود کو قانون کے حوالے کرنے آئے ہو۔۔۔ بہتر یہ ہو گا کہ تم کوتوالی جا کر اپنا بیان دے دو۔۔۔ بھلا میرے پاس آنے سے کیا فائدہ۔“

”اِس طرح تو آپ سچ مچ مُجھے موت ہی کے منہ میں دھکیل رہے ہیں۔“ جبّار خان نے گھبرا کر کہا۔

”تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں ایک ایسے آدمی کو اپنے یہاں سے صحیح سلامت نکل

جانے دوں گا جسے پولیس چار سال سے تلاش کر رہی ہو۔" فریدی نے کہا۔

"آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔" جبّار خان نے کہا۔ "میں تو چاہتا ہوں کہ حراست میں لے جاؤں کیونکہ اسی طرح میری جان بچ سکتی ہے۔"

"اسی لیے تو کہتا ہوں کہ کوتوالی چلے جاؤ۔"

"اور اگر راستے ہی میں کسی نے مُجھے ٹھکانے لگا دیا تو۔۔۔ڈرتا ڈرتا تو میں یہاں تک آیا ہوں۔" جبّار خان نے کہا۔ فریدی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تم اب تک کہاں رہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"سی شہر میں۔" جبّار خان بولا۔ "نام تبدیل کر کے یتیم خانے میں ملازمت کر لی تھی۔"

"لیکن ایسا کیا تم پولیس کو اپنے متعلّق بتانا چاہتے ہو؟"

"یہی بتانے کے لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

”تو بتاؤ۔۔۔!“ فریدی جماہی لیتا ہوا لا پروائی سے بولا۔

”کئی دِن ہوئے مُجھے ایک لفافہ بذریعہ ڈاک ملا جس میں سو روپے کا ایک نوٹ تھا۔“

”بڑے خوش قسمت ہو تم۔۔۔!“ فریدی اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

”جی نہیں اُسی نوٹ سے میری بد قسمتی شروع ہوئی۔“ جبّار خان بولا۔

”چلو یہی سہی۔۔۔ آگے کہو۔“ فریدی اُکتاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

”اُسی نوٹ کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں کسی نے مُجھے بارہ بجے رات کو ایک سُنسان سڑک پر جانے کے لیے لکھا تھا۔ اُس میں یہ بھی تھا کہ مُجھ سے جو کام لیا جانے والا ہے اُس کے عوض مُجھے تین ہزار روپے ملیں گے جس میں سے ڈیڑھ ہزار تو اسی وقت مل جائیں گے۔ جب میں شرائط مان جاؤں گا اور ڈیڑھ ہزار کام ہو جانے پر۔۔۔!“

”کیا وہ خط تمہارے اصلی نام سے آیا تھا؟“

”جی نہیں۔۔۔ لفافے پر وہی نام درج تھا جو میں نے بعد میں اختیار کیا تھا۔۔۔ سعید احمد۔“

”ہوں۔۔۔!“

”پہلے تو میں سمجھا کہ شاید پولیس کو میرے متعلّق معلوم ہو گیا ہے۔۔۔ لیکن پھر سوچا کہ اگر پولیس کو معلوم ہو گیا ہوتا تو وہ اتنی دردسری کیوں مول لیتی۔۔۔ سو روپے کا خون کرتی۔“

”داستان کو مختصر کرو۔۔۔ میں بہت مشغول آدمی ہوں۔“ فریدی نے کہا۔

”بہر حال میں کافی سوچ و بچار کے بعد سرکلر روڈ پر بارہ بجے رات کو پہنچ ہی گیا۔۔۔ مُجھے کنوئیں کے پاس والے پیپل کے درخت کے نیچے آنے کو لکھا گیا تھا۔۔۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر وہاں رکی اور کسی نے میرا اصلی نام لے کر پکارا۔ میں دھڑکتے ہوئے دِل کے ساتھ موٹر کے قریب پہنچا۔۔۔ کار میں اندھیرا تھا۔ میں اس کی صورت نہ دیکھ سکا۔۔۔

اور شاید اب اس کی آواز نہ پہچان سکوں۔۔۔ کیونکہ وہ اپنی آواز کو دبا کر باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے مجھے ایک ایسے آدمی کو حسینہ کو قتل کر دینے کے لیے تلاش کرنے کو کہا جسے آسانی سے پہچانا نہ جا سکے۔۔۔ آپ جانتے ہوں گے کہ میں آج تک قتل وغیرہ کے معاملے میں ہاتھ نہیں لگایا لیکن ان دِنوں روپیوں سے تنگ تھا۔ سوچا مُجھے تو قتل کرنا نہیں ہے۔ لٰہذا میں اس پر راضی ہو گیا۔۔۔ اور معاملہ بھی عجیب دلچسپ تھا۔ وہ محض ایک رومال کی خاطر قتل کی جا رہی تھی۔ موٹر والے نے مجھے بتایا کہ حسینہ سے رومال لینے کے بعد اُسے قتل کر دیا جائے گا۔ میں راضی ہو گیا۔ مُجھے ڈیڑھ ہزار روپے اُسی وقت مل گئے اور ایک کاغذ بھی ملا جس پر اُس قتل کے متعلّق ساری احتیاطی تدبیریں درج تھیں۔۔۔ وہ کاغذ اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔۔۔ ہاں تو میں نے اُس سے دوسرے دِن ملنے کا وعدہ کیا۔۔۔ لیکن وہ یہ سارا کام دوسری ہی رات کو کر ڈالنا چاہتا تھا۔۔۔ اُس نے مُجھ سے کہا کہ جو اُسے قتل کر کے رومال لے آئے گا اس کے لئے ایک ہزار روپے الگ سے دیے جائیں گے۔۔۔ میں نے دوسری ہی رات کو یہ کام سر انجام دے

ڈالنے کا وعدہ کیا۔۔۔ میرے ذہن میں ایک آدمی تھا۔۔۔ وہی جو اُسی رات کو دلکشا ہوٹل کے باہر قتل کر دیا گیا۔ میں نے اُسے تیّار کیا۔ وہ ایک معمولی مزدور تھا۔۔۔ میں نے موٹر والے کی اسکیم کے تحت اُسے نفیس قسم کا سوٹ پہنا کر دلکشا ہوٹل میں بھیج دیا۔۔۔ اور پھر جب وہ ہوٹل سے باہر نکلا تو کسی نے اس کا قتل کر دیا۔" جبّار خان خاموش ہو کر کُچھ سوچنے لگا۔

"کیا تم اس وقت وہیں موجود تھے؟" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔ میں آگے بڑھ کر ایک چائے خانے میں بیٹھ گیا تھا۔ میں نے اُسے سمجھا دیا تھا کہ وہ اُس رومال کو لے کر سیدھا وہیں آئے۔۔۔ لیکن کسی نے اُسے۔۔۔!"

"تمہیں بقیہ روپے تو مل گئے ہوں گے؟"

"آج بارہ بجے رات کو ملیں گے۔" جبّار خان نے کہا۔ "مُجھے آج پھر ایک خط ملا ہے جس میں لکھا ہے کہ میں آج بارہ بجے رات کو اُسی پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ

جاؤں۔"

"وہ خط اور وہ کاغذ جس پر قتل کی اسکیم لکھی ہوئی ہے مُجھے دو۔" فریدی نے کہا۔

جبّار خان نے کاغذات جیب سے نکال کر فریدی کو دے دیے۔ فریدی ان کا بغور مطالعہ کرتا رہا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں دوڑے آئے؟" فریدی نے اُس سے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اگر میں وہاں گیا تو صُبح تک میری لاش سردی سے اکڑ جائے گی۔" جبّار خان نے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ شخص انتہا کی رازداری سے کام لے رہا ہے۔۔۔ اُس نے اُس مزدور کو کیوں قتل کر دیا؟ رومال حاصل کر لینے کے بعد اُسے ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔۔۔ میں بھی اسی بساط کا ہی ایک مُہرہ ہوں جسے شہہ سے بچنے کے لیے پٹوا دیا جائے۔ میں اچھّی طرح جانتا ہوں کہ اگر میں روپے کے لالچ میں وہاں دوڑا گیا تو

میرا بھی وہی حشر ہو گا جو اُس مزدور کا ہوا۔۔۔اب صرف آپ ہی میری جان بچا سکتے ہیں۔"

"ہوں۔۔۔!" فریدی کُچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "تُم یہ کس طرح کہتے ہو کہ تمہارا بھی وہی حشر ہو گا؟"

"میرا دِل کہہ رہا ہے۔" جبّار بولا۔ "یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم جرائم پیشہ لوگ چھٹی حِس بھی رکھتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ جو لوگ شارع عام پر کسی کو گولی مار سکتے ہیں کیا وہ خود ہی حسینہ کو قتل کر کے وہ رومال نہیں حاصل کر سکتے تھے۔ انہوں نے کسی مجبوری ہی کی بنا پر مُجھے اس معاملے میں شریک کیا اور پھر محض رازداری کے خیال سے اس مزدور کو قتل کر دیا۔۔۔تو پھر اب وہ مُجھے کیوں زندہ رہنے دیں گے۔۔۔مُجھے منطق نہیں آتی ورنہ میں اس سے بھی زیادہ زوردار دلائل پیش کرتا ویسے میرا دِل کہہ رہا ہے کہ میرا بھی وہی حشر ہونے والا ہے، جو اُس مزدور کا ہوا۔"

جبّار خاموش ہو کر رحم طلب نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ شخص جو تُم سے سر کلر روڈ پر ملا تھا کوئی انگریز تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"انگریز تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔۔۔ کیونکہ وہ اُردُو میں گفتگو کر رہا تھا۔" جبّار نے کہا۔

"بہتیرے انگریز اچھّی خاصی اُردُو بولتے ہی ہیں۔" فریدی بولا۔

"لیکن لہجہ۔" جبّار مُضطربانہ انداز میں بولا۔ "میں نے آج تک کوئی انگریز نہیں دیکھا جس کا لہجہ ہندوستانی ہو۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ آپ بھی کیس میں دلچسپی لے رہے ہیں۔" جبّار نے کہا۔

"کون سا کیس۔۔۔!"

"وہی حسینہ والا۔۔۔!"

"میں اِتّفاقاً وہاں پہنچ گیا تھا۔۔۔ اور یہ رومال والا معاملہ تو کسی طرح میرے حلق سے نہیں اترتا۔۔۔ بھلا رومال۔۔۔ لاحول ولا قوّۃ کسی احمق کو بھی اس پر یقین نہیں آسکتا۔"

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ مُجھے یہی بتایا گیا تھا۔ اس کاغذ میں بھی وہی تحریر ہے۔۔۔ اب اس کی تہہ میں کیا راز ہے یہ میں نہیں جانتا۔"

"تو اب تم کیا چاہتے ہو؟" فریدی نے کہا۔

"کتنی بار کہوں؟" جبّار جھلا کر بولا۔

"تم نے ایک بار بھی نہیں کہا۔"

"میں نے یہاں آکر سخت غَلَطی کی۔" جبّار جھلّا کر بولا۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتباری مترشح ہو رہی تھی۔ "میں تو سمجھا تھا کہ میری اِس اِطّلاع پر آپ اُچھل پڑیں گے۔"

"مگر تمہاری اِطّلاع میں کوئی ایسی بات نہیں جسے سُن کر اُچھلنا پڑے۔" فریدی نے کہا۔

"تو میں نااُمّید ہو جاؤں؟"

"میں یہ بھی نہیں کہتا۔"

"پھر آخر آپ کہتے کیا ہیں؟"

"پولیس کو فون کر کے تمہیں احتیاط سے جیل بھجوادوں۔"

"تو کیاوہ مُجھے جیل میں زندہ رہنے دیں گے؟"

"زندہ تو تم کہیں بھی نہیں رہ سکتے۔۔۔ تمہارا مرنا اتنا ہی یقینی ہے جتنا کہ اُس آدمی کا جو تمہیں سرکلر روڈ پر ملا تھا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا؟"

"مطلب سمجھ کر تُم کیا کرو گے؟" فریدی نے کہا۔ "خیر تم یہیں ٹھہرو، مگر اس

طرح نہیں۔ تمہیں یہاں پولیس والوں کی نگرانی میں رہنا پڑے گا۔"

"مجُھے منظور ہے۔" جبّار نے کہا۔

فریدی نے ریسیور رکھ کر انسپکٹر جگدیش کو فون کیا۔ تھوڑی دیر بعد جگدیش دو مسلح سپاہیوں کے ساتھ فریدی کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

جبّار کو دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"ہاں یہ جبّار خان ہے۔" فریدی نے کہا۔ "خود کو پولیس کے حوالے کرنے آیا ہے۔"

"اوہ۔۔۔!" جگدیش نے کہا اور جبّار کو گھورنے لگا۔

"لیکن یہ نہیں بتانا چاہتا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"میں اُگلوالوں گا۔" جگدیش نے کڑے لہجے میں کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ داروغہ صاحب۔۔۔ اِس کی ضرورت نہیں۔" فریدی طنزیہ لہجے

میں بولا۔ ”آپ اِس کے لیے مجبور نہ کیجئے گا۔“

”اوہ۔۔۔!“ جگدیش معنی خیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ ”آپ اُس وقت تک یہاں ٹھہر کر اس کی نگرانی کریں گے جب تک کہ میں واپس نہ آ جاؤں۔“ فریدی نے کہا۔

”حوالات میں کیوں نہ رکھا جائے۔“ جگدیش نے کہا۔

”بھئی میں جو کہہ رہا ہوں وہ کرو۔۔۔!“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

”بہت اچھّا۔۔۔ بہت اچھّا۔“ جگدیش نے جلدی سے کہا۔

”اپنے ان دونوں سپاہیوں کو بھی کمرے سے باہر نہ جانے دینا۔“

”اچھّا۔۔۔ لیکن۔۔۔!“

”لیکن کیا۔۔۔!“ فریدی اسے آنکھ مار کر بولا۔ ”میں آج رات بھر جبّار خان کو اپنا ہی مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔“

"اوہ۔۔۔!"

"باہر کسی کو اِس کی اِطّلاع نہ ہونے پائے۔" فریدی نے سپاہیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تُم میری طرف سے انعام کے مستحق ہو گے۔"

"نہیں سرکار بھلا ایسی بات ہو سکتی ہے۔" ایک سپاہی بولا۔

انہیں ڈرائینگ روم میں چھوڑ کر فریدی اور حمید باہر چلے آئے۔

"اپنا سیاہ سوٹ پہن لو۔" فریدی نے حمید سے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا اور اپنے سونے کے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس کمرے سے نکلا۔۔۔ حمید نے بھی اُس کی ہدایت کے مطابق سیاہ سوٹ پہن لیا تھا۔ فریدی اپنے جیب میں پڑے ہوئے پستول کو ٹٹولتا ہوا بولا۔ "ریوالور بھی لیتے چلو۔"

کار میں لاش

رات تاریک اور انتہائی سرد تھی۔ ستارے اِس طرح کپکپا رہتے تھے جیسے وہ برف کے طوفان میں پھنس کر آخری جدوجہد کر رہے ہوں۔ چاروں طرف ایک لامتناہی سنّاٹا چھایا ہوا تھا۔۔۔ کبھی کبھی جھینگروں کی ”جھائیں جھائیں“ اچانک رُک جاتی اور ایسا معلوم ہونے لگتا جیسے سنّاٹے کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

سرکلر روڈ پر جو شہر میں روشنی کی بوچھاڑوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شہر کے باہر کے ویران حصّے میں آکر تاریکی کی آغوش میں سوگئی تھی اور اس وقت قدموں کی آہٹیں بھی اُس کے سینے میں دھڑکنیں نہیں پیدا کر رہی تھیں اس کے دونوں

کناروں پر بڑے بڑے درخت اور کہیں کہیں گھنی جھاڑیاں تھیں۔ دفعتاً اُس کے سیاہ سینے پر روشنی کی لمبی لمبی لکیریں نظر آنے لگیں اور دور کسی کار کی ہیڈ لائٹس دکھائی دیں۔ کار تیزی سے آ رہی تھی۔۔۔ پیپل کے پرانے درخت کے قریب آ کر اُس کی رفتار کم ہو گئی اور پھر کُچھ دور چلنے کے بعد رُک سی گئی لیکن مشین نہیں روکی گئی۔ انجن کی ہلکی ہلکی آواز فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ ہیڈ لائٹس بجھا دی گئیں۔۔۔ کسی نے کھڑکی سے سر نکال کر پیپل کے درخت کی طرف دیکھا۔۔۔ وہاں ایک تاریک سایہ متحرک نظر آ رہا تھا۔

"جبّار خان" کار والے نے آہستہ سے آواز دی۔ "قریب آؤ۔۔۔!" یہ آہستہ آہستہ کار کی طرف بڑھنے لگا۔ ساتھ ہی کار والے کا ہاتھ جیب میں گیا۔ اُس نے پستول نکال کر اُس کی نال کار کی کھڑکی پر رکھ دی۔ لیکن کار کی طرف بڑھنے والا سایہ شاید اُس سے بے خبر تھا۔ وہ کار سے ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر کھڑا ہو گا۔۔۔ کار والے نے پستول مضبوطی سے پکڑ لیا۔۔۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں کار کی دوسری کھڑکی سے ایک ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھا۔ کار والے کو اُس کی

خبر تک نہ ہوئی۔

"خبر دار۔۔۔!" پیچھے سے آواز آئی۔۔ "اپنا پستول سڑک پر گرا دو۔"

کار والے کی گردن میں ٹھنڈے لوہے کا ننّھا سا دائرہ چبھنے لگا۔۔۔

"پستول سڑک پر گرا دو۔۔۔!" پیچھے سے پھر آواز آئی۔ "اگر تُم نے ذرّہ برابر بھی جنبش کی تو کھوپڑی اُڑ جائے گی۔" کار والے کا پستول سڑک پر آ گرا۔ اُس کے سامنے کھڑا ہوا آدمی خاموش کھڑا تھا۔

"کیپٹن خاور نیچے اُتر آؤ۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"تُم کون ہو؟" کار والے نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"انسپکٹر فریدی۔" سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔

"شہناز کہاں ہے؟" پیچھے سے سارجنٹ حمید نے پوچھا۔ اُس کے پستول کی نال کار والے کی گردن میں چُبھی جا رہی تھی۔

"میں نہیں جانتا۔" کار والے نے کہا۔

"نیچے اُتر آؤ۔" آخر فریدی نے کہا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔

کار کے انجن کی آواز سنّاٹے میں گونج رہی تھی۔ کار والے نے ایک پیر پائیدان پر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے وہ نیچے اُتر رہا ہو۔ لیکن اندھیرے میں فریدی یہ نہ دیکھ سکا کہ کار والے کا ہاتھ گیئر پر رینگ رہا ہے۔ دفعتاً فریدی کو اپنی بنیادی غَلَطی کا احساس ہوا۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر مشین بند کرنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ کار ایک جھٹکے کے ساتھ چل پڑی۔۔۔ سارجنٹ حمید دوسری طرف سڑک کے کنارے لڑھک گیا۔۔۔ اور فریدی کھڑا ہاتھ ملتا رہ گیا۔ حمید نے پے در پے فائر کرنے شروع کر دیے۔ لیکن کار گولیوں کی دسترس سے دور جا چکی تھی۔

"کیوں فضول کارتوس خراب کر رہے ہو۔" فریدی جھلّا کر بولا۔ "تُم سے بھی اتنا نہ ہو سکا کہ ہاتھ بڑھا کر انجن بند کر دیتے۔"

"میں۔۔۔ کیا۔۔۔ میں کیا۔۔۔!" حمید ہانپتا ہوا بولا۔

"ہاں تُم کیا کر سکتے تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"کیپٹن خاور کا نام سُنتے ہی شہناز کی فکر تو پڑ گئی تھی۔"

"شاید میرے سر میں چوٹ آ گئی ہے۔" حمید جھینپ کر بولا۔ فریدی نے جھک کر سڑک پر سے کیپٹن خاور کا پستول اٹھالیا۔ دونوں ایک طرف چلنے لگے۔

"کیا آپ ناراض ہو گئے؟" حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

"مُجھے خود اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ خیر کوئی پرواہ نہیں۔۔۔ اب یہ لوگ بچ نہیں سکتے۔"

ایک کار تیزی سے اُن کے قریب سے گذر گئی۔

"ہمیں کار پر آنا چاہیے تھا۔" حمید نے کہا۔

"مگر اِس کار پر کون تھا۔" فریدی نے کہا۔ "اس نے ہیڈ لائٹس بھی نہیں جلائی تھیں۔"

"ہو گا کوئی۔ یہ کیا یہاں ویرانے میں چالان کا ڈر ہے۔" حمید بولا۔ فریدی کسی سوچ میں پڑ گیا۔

"لیکن تھی کوئی نہایت نفیس قسم کی کار۔" فریدی نے کہا۔ "ذرہ برابر بھی آواز نہیں معلوم ہوئی۔" وہ پھر کُچھ سوچنے لگا۔

"حمید۔۔۔!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کہیں اس کار پر اس گروہ کا سرغنہ رہا ہو۔۔۔ کون جانے کہ وہ کیپٹن خاور کو ختم کر دینے کے لئے اُدھر آیا ہو۔"

"کیا مطلب۔۔۔!"

"کیپٹن خاور جبّار کو قتل کرتا اور وہ کیپٹن خاور کو۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔!"

"بہرحال اس معاملے میں بھی خاصی چوٹ رہی۔" فریدی نے کہا۔ "جبّار کے بعد یہ دوسری ہستی ملی ہے جس سے مُقابلہ کرنے میں دانتوں پسینہ آ رہا ہے۔"

”میرے دانتوں میں تو درد ہو گیا ہے۔“حمید ہنس کر بولا۔

”خیر خیر جلدی چلو۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے خیال سے ڈیڑھ بج گئے ہوں گے۔ اب اس وقت کوئی سواری بھی نہ ملے گی۔“ دونوں نے تیز تیز قدم اٹھانے شروع کر دیے۔

”آخر وہ کون تھا جو ہمارے تہہ خانے سے نکل بھاگا۔“حمید نے کہا۔

”سر بنتھال۔۔۔!“

”جی۔۔۔!“حمید چلتے چلتے رُک کر بولا۔

”چلتے رہو چلتے رہو۔۔۔ یہ کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”معلوم نہیں آپ اس وقت کس موڈ میں ہیں۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”شاید اس وقت ناکامی نے آپ کے ذہن پر کوئی بُرا اثر ڈالا ہے۔“

”یعنی میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہ نہیں کہتا۔۔۔اگر وہ سر بنتھال تھا تو شاید وہ جس نے اُسے شراب پلائی تھی اُس کا ہم زاد تھا۔"

"ہم زاد نہیں بلکہ ہمشکل کہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں تمہیں میک اپ کر کے سر بنتھال بنا سکتا ہوں اور خود فضیل بن سکتا ہوں۔۔۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں فضیل کی گفتگو سے مطمئن تھا کہ وہ میرے تہہ خانے سے نکل کر کہیں جا نہیں سکتا۔"

"لیکن آپ نے اس وقت اپنے شُبہے کا اظہار نہیں کیا تھا۔" حمید نے کہا۔

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ عربی ضرور بولتا تھا لیکن اس کا لہجہ اس کے اہل زبان ہونے پر دلالت نہیں کرتا تھا۔۔۔!"

"آخر سر بنتھال کی اس حرکت کا مطلب کیا تھا۔"

"محض یہی کہ میری توجّہ اپنی طرف سے ہٹا کر یہاں سے نکل جائے۔۔۔ اگر وہ اس رومال کے حصول کے لیے کوشش کر رہا تھا تو پھر مصر جانے کے لیے ویزا کی

درخواست کیوں دی تھی۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ رومال اس کے پاس ہے۔۔۔ شاید اُسے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ تم اس کی حرکت کو بغور دیکھ رہے ہو۔ لہٰذا اس نے ہمیں بیوقوف بنانے کے لئے یہ پلاٹ بنایا۔"

"حیرت ہوتی ہے اس کی ذہانت پر۔ میرے پِن چبھانے پر وہ اس طرح عربی میں چیخا تھا جیسے اس کے لیے پہلے ہی سے تیّار رہا ہو۔ کتنا مصنوعی نفسیاتی ردعمل تھا اُس وقت یقیناً میں اپنی اس تدبیر پر خود ہی جھوم اٹھا تھا۔۔۔ لیکن آج اپنے سے زیادہ احمق کسی اور کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔۔۔ اور اس کے باوجود بھی میں مشکوک تھا۔"

"تو کیا اُسی وقت آپ نے اس کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ سر بنتھال تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ میں مشکوک ضرور تھا لیکن اُس وقت اس کا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ خود سر بنتھال ہے۔"

"اور حقیقت تو یہ ہے کہ اب بھی یہ بات میرے حلق سے نہیں اترتی۔" حمید نے

کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس راز سے بھی کبھی پردہ اٹھے ہی گا۔۔۔ میں تم سے یہ کب کہتا ہوں کہ بے چوں وچرا ہر بات پر ایمان لے آیا کرو۔“

وہ دونوں تقریباً چار بجے گھر پہنچے ڈرائینگ روم میں سنّاٹا تھا۔۔۔

”لو بھئی کوئی دوسری چوٹ۔“ فریدی بوکھلا کر بولا۔ ”یہ لوگ کہاں گئے۔ کیا اُن احمقوں نے اُسے حوالات پہنچا دیا۔“

”نوکروں کو جگا کر پوچھئے۔“ حمید بولا۔

”ٹھہرو۔۔۔!“ فریدی فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔۔۔ اُس نے ریسیور اٹھایا۔۔۔ ”ہیلو۔۔۔ کوتوالی ڈیوٹی پر کون ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ ذرا جگدیش کو بلاؤ۔“ فریدی نے ریسیور میز پر ڈال دیا اور حمید کی طرف دیکھنے لگا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پھر ریسیور اٹھایا۔ ”ہیلو۔۔۔ جگدیش۔۔۔ فریدی بول رہا ہے۔۔۔ کیا

چوٹ کیسی چوٹ۔۔۔ گھاس تو نہیں کھا گئے۔۔۔ ارے۔۔۔ چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔ تمہیں بُلا کر غَلَطی کی تھی۔۔۔ میں سمجھا تھا کہ تمہیں کُچھ کُچھ عقل آ گئی ہو گئی۔۔۔ خیر آئندہ احتیاط برتوں گا۔۔۔" فریدی نے ایک جھٹکے سے ریسیور رکھ دیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ غصّے سے اُس کا چہرہ سُرخ ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک بار رُک کر میز پر ایک زور دار مکّا مارا اور پلٹ کر حمید کو گھورنے لگا۔

"کیا ہوا۔۔۔!" حمید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"شکست۔۔۔!" فریدی زخمی بھیڑیے کی طرح غرایا۔ "جبّار کو وہ لوگ نکال لے گئے۔"

"نکال لے گئے؟" حمید نے متحیّرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ جگدیش کو دھوکہ دیا گیا۔۔۔ لیکن اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔" فریدی نے صوفے پر گر کر آنکھیں بند کرلیں۔

”جگدیش کس طرح دھوکا کھا گیا۔“ حمید نے کہا۔

”جب میں دھوکے کھا رہا ہوں تو جگدیش کی کیا حقیقت ہے۔“ فریدی نے بُرا سا منہ بنایا۔

”آخر ہوا کیا۔۔۔؟“

”جگدیش کا بیان ہے کہ تین بجے کے قریب تم خون میں نہائے ہوئے ڈرائینگ روم میں داخل ہوئے۔“

”میں۔۔۔!“ حمید اُچھل کر بولا۔

”ہاں۔۔۔ تمہارا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔“ حمید گھبرا کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ لیکن پھر اپنی اس حماقت کا احساس ہوتے ہی ہاتھ نیچے گرا دیا۔

”تم نے اس سے کہا کہ فریدی صاحب جبّار کو بلا رہے ہیں۔۔۔ تم اتنی جلدی میں تھے کہ تم نے جگدیش کو یہ بھی نہ بتایا کہ تم خون میں کیوں نہائے ہوئے ہو۔“

"مگر میں تو۔۔۔!"

"میرے ساتھ تھے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "تم اتنے احمق کیوں ہو جاتے ہو۔۔۔ میں یہ کب کہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نہیں تھے۔۔۔ اُس گروہ کا کوئی آدمی تمہاری شکل میں آیا اور جبّار کو لے اڑا۔۔۔ مُجھے اس کی توقّع نہیں تھی۔"

"اب کیا کیا جائے۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"سوچنا پڑے گا۔۔۔ سوچنا پڑے گا۔۔۔!" فریدی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے آج تک ایسا مجرم نہیں دیکھا جو دلیر بھی ہو کھُل کر بھی سامنے نہ آتا ہو۔"

"کیوں نہ سر بنتھال کو گرفتار کر لیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"کیا احمقوں کی سی باتیں کر رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اُس کے خلاف ثبوت کہاں سے مہیّا کریں گے۔ یہ تو اسی وقت ہو سکتا تھا جب ہم کیپٹن خاور کو گرفتار کر

لیتے۔۔۔!"

"کیپٹن خاور۔۔۔!" حمید اپنی مُٹھّیاں بھینچ کر آہستہ سے بولا۔

"جاؤ جا کر سو جاؤ۔" فریدی نے کہا۔ "ابھی بہت کُچھ کرنا ہے۔۔۔"

"اب نیند نہیں آئے گی۔" حمید نے کہا۔

فریدی خاموش ہو گیا۔

"اچھّا اس آتش دان میں کوئلے ہی ڈال دو۔" فریدی نے کہا اور آنکھیں بند کر کے کُچھ سوچنے لگا۔ حمید نے اُٹھ کر آتش دان میں کوئلے سلگا دیئے۔ فریدی جو صوفے میں بیٹھا اونگھ رہا تھا دفعتاً کھڑا ہو گیا۔

"تھوڑی دوڑ دھوپ کی ہمّت کر سکو گے۔" فریدی نے حمید سے پوچھا۔

"ابھی اس وقت۔۔۔؟" حمید اپنے چہرے پر کاہلی کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔

"اور نہیں تو کیا ایک سال کے بعد۔" فریدی نے کہا اور اپنا اوور کوٹ پہننے لگا۔

حمید بھی طوعاً و کرہاً اُٹھا۔ آج کافی تھک گیا تھا۔۔ تھکن کا یہ عالم تھا کہ اُسے بولنے میں بھی کاہلی محسوس ہو رہی تھی۔ گھڑی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔ وہ دونوں برآمدے سے نکل کر پائیں باغ میں آئے۔

فریدی گیراج کھول کر اپنی کار باہر نکال ہی رہا تھا کہ ایک کار احاطے کے پھاٹک پر آکر رکی پھر کوئی پھاٹک کو پکڑ کر ہلانے لگا۔ ”کون ہے؟“ حمید چیخا۔

”پھاٹک کھولو۔۔۔!“

”اوہ آپ۔۔۔؟“ حمید پھاٹک کی طرف بڑھتا ہوا بولا اور فریدی سے مخاطب ہو کر کہا۔

”سپرنٹنڈنٹ صاحب" حمید نے پھاٹک کھول دیا۔ سپرنٹنڈنٹ اندر آ گیا۔۔۔ فریدی بھی گیراج سے باہر نکل آیا۔ ”تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟“ سپرنٹنڈنٹ نے اُن سے پوچھا۔

”ہم لوگ کہیں جا رہے ہیں۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”مگر اب نہ جائیں گے ہماری

خوش نصیبی ہے کہ آپ نے غریب خانے پر قدم رنجہ فرمایا۔۔۔ اندر تشریف لے چلئے۔"

"نہیں۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "میں یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ کیپٹن خاور سرکلر روڑ کے موڑ پر اپنی ٹوٹی ہوئی کار میں مُردہ پایا گیا ہے۔۔۔اس کی داہنی کنپٹی پر گولی لگی۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔!" حمید اُچھل کر بولا۔ اُس کی نظریں بے اختیار فریدی کی طرف اُٹھ گئیں۔

"تو میرا خیال سچ نکلا۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ نے کڑے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اپنے خیال سے مطلع فرمائیں تو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"حمید اس خبر کو سن کر گھبرا کیوں گیا؟" سپرنٹنڈنٹ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اس لیے کہ اُسے کیپٹن خاور کا انجام معلوم تھا۔" فریدی نے کہا۔

”یعنی۔۔۔؟“

”یہی کہ جو ایک قاتل کا انجام ہونا چاہئے۔“

”کون قاتل۔۔۔!“

”کیپٹن خاور۔۔۔!“

”نہ جانے تم کہاں کی باتیں کر رہے ہو۔“ سپرنٹنڈنٹ جھلّا کر بولا۔ ”شاید آپ کو نہیں معلوم کہ وہ رومال والا کیس میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔“

”مُجھے معلوم ہے۔“ سپرنٹنڈنٹ تلخ لہجے میں بولا۔

”تو پھر بس کیپٹن خاور کا قتل اُسی سِلسِلے کی ایک کڑی ہے۔۔۔ حسینہ سے رومال مزدُور نے چھینا۔۔۔ مزدُور کو کیپٹن خاور نے ختم کیا اور ہو سکتا ہے کہ وہی حسینہ کا بھی قاتل ہو۔۔۔ اور پھر کیپٹن خاور کو اس کے اوپر والوں نے ختم کر دیا۔“

”ثبوت۔۔۔!“

”بھلا میں آپ کو ثبوت کیوں کر دے سکتا ہوں؟“ فریدی نے کہا۔ ”اس کیس میں میرا تعلق براہِ راست ڈی آئی جی سے ہے۔“

”ہوں۔۔۔ اچھّا۔۔۔!“ سپر نٹنڈنٹ نے حمید کی طرف مُڑ کر پوچھا۔ "شہناز کہاں ہے؟“

”بھلا وہ بے چارہ کیا بتائے گا۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”وہ بے چارہ اُس کے لیے بُری طرح تڑپ رہا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ شہناز کہاں ہے۔“

”کہاں ہے؟“ سپر نٹنڈنٹ نے بگڑ کر پوچھا۔ فریدی کے طنز آمیز طرز گفتگو نے اس کا موڈ بگاڑ دیا تھا۔

”یہ میں نہیں بتا سکتا۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔ ”میری مصلحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔“

”میں تمہارا آفیسر ہوں!“ سپر نٹنڈنٹ نے ڈانٹ کر کہا۔

”یہ کوئی خاص بات نہیں۔ ایک بار یورپ کا مشہور ڈاکو لیونارڈ بھی کافی عرصے تک

میرا آفیسر رہ چکا ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "تم میری توہین کر رہے ہو!" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ خواہ مخواہ دل برداشتہ ہو رہے ہیں۔ یہ محکمہ ہی ایسا ہے۔۔۔ یہاں سب کُچھ سہنا پڑتا ہے۔"

"کُچھ نہیں یہ اوپر والوں کی غَلَط پالیسی کا نتیجہ ہے۔" سپرنٹنڈنٹ جھلّا کر بولا۔

"میں خدا کے علاوہ اور کسی کو اوپر والا نہیں سمجھتا۔" فریدی نے کہا۔

"خیر چھوڑیے ان باتوں میں۔۔۔ اگر کوئی حرج نہ ہو تو اس وقت میرے ہی ساتھ ناشتہ کر لیجئے۔"

"میں سورج طلوع ہونے سے قبل ناشتہ نہیں کرتا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

"یا وحشت۔۔۔!" حمید مُسکرا کر بولا۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی جائے وقوعہ پر پہنچ گئے۔ سر کلر روڈ کے چوراہے پر مُڑتے وقت کیپٹن خاور کی کار ایک درخت سے ٹکرا کر اُلٹ گئی تھی۔۔۔ بمشکل تمام اُس کی لاش اُس کے اندر سے نکالی جا سکی تھی۔ دو تین سب انسپکٹر اور محکمہ سراغ رسانی کا سپر نٹنڈنٹ لاش کے گرد کھڑے تھے۔ فریدی اور حمید کے پہنچتے ہی سپر نٹنڈنٹ نے بُرا سامنہ بنایا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کی دخل اندازی ضروری ہے۔" سپر نٹنڈنٹ نے کہا۔

فریدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ سول پولیس والوں کے سامنے بات بڑھے اور سپر نٹنڈنٹ صاحب اس میں اپنی توہین محسوس کریں۔ لیکن یہ واقعہ سول پولیس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیپٹن خاور گولی لگنے کی وجہ سے مرا یا کار اُلٹنے کی وجہ سے۔ سپر نٹنڈنٹ نے اپنے خیال کا اظہار شروع کیا۔ اس نے فریدی اور حمید پر ایک اُچٹتی ہوئی سی نگاہ ڈالی اور کہنے لگا۔ "جس وقت یہ یہاں کار موڑ رہا تھا کسی نے اس پر گولی چلائی اور درخت سے ٹکرا کر اُلٹ گئی۔"

فریدی کے ہونٹوں پر طنز آمیز مُسکراہٹ پھیلنے لگی۔ لیکن وہ کُچھ بولا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد سول پولیس والے لاش وہاں سے اٹھالے گئے۔۔۔ سپرنٹنڈنٹ وہیں رہ گیا۔

"اب فرمایئے آپ لوگ۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میں آپ سے متّفق نہیں ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"بھلا آپ لوگ کیوں متّفق ہونے لگے؟" سپرنٹنڈنٹ معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔

"آپ غَلَط لائنوں پر سوچ رہے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"مسٹر فریدی خود کو عقل مند سمجھنے والا عموماً بے وقوف ہوتا ہے۔"

"میں بہت عرصے سے یہی سوچ رہاہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"رات تم دونوں کہاں تھے؟" سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے تعاقب میں۔۔۔!" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ اُچھل کر بولا۔

"مطلب ہم لوگ فی الحال اپنے ہی تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تم اس جرم کو اپنی مصنوعی دلیری کے پردے میں نہیں چھپا سکتے۔ تم لوگوں کے خلاف کیپٹن خاور کی رپورٹ محفوظ ہے۔"

"اور اس غریب کو ملک الموت نے اپنی حفاظت میں لے لیا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"تم پھر میرا مذاق اُڑانے کی کوشش کر رہے ہو۔" سپرنٹنڈنٹ گرج کر بولا۔

"آپ کو غَلَط فہمی ہوئی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں آج ہی شہر بھر کے بدمعاشوں سے آپ کے خلاف لاتعداد رپورٹس لکھوا سکتا ہوں۔"

"یعنی۔۔۔!"

”یعنی یہ کہ ہمیں اپنے راستے سے تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دینے کو مجرموں نے یہ چال چلی۔“

”اور اب تم یہ دوسری چال چل رہے ہو۔“

”تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کیپٹن خاور کے قتل میں ہمارا ہاتھ ہے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔

”چہ چہ ہم لوگ اتنے احمق نہیں کہ کسی مُردے پر گولی چلائیں۔“

”مُردے پر۔۔۔!“ سپرنٹنڈنٹ چونک کر بولا۔

”جی ہاں۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”موٹر اُلٹنے سے پہلے اس پر گولی نہیں چلائی گئی۔“

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟“

”زخم کے گرد جمی ہوئی بارود کی کھرنڈ۔۔۔ ریوالور کی نال اُس کی کنپٹی پر رکھ کر

چلائی گئی ہے۔۔۔ ورنہ اتنی گہری کھرنڈ جمنی ناممکن تھی اور چلتی ہوئی کار پر اتنے قریب سے گولی چلانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔ زخم سے خون بھی نہیں نکلا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے کے بعد اُس پر گولی چلائی گئی۔"

"بڑی پیاری دلیل پیش کی ہے تُم نے۔" سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مُسکرا کر بولا۔

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی آجانے دیجئے۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن تم یہ بتاؤ کہ کیپٹن خاور کا تعاقب کیوں کر رہے تھے؟" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"شوق سے۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "لیکن کم از کم یہاں تو مُجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو میرے خلاف تحقیقات کر کے کوئی کام کی بات معلوم کر سکے۔"

"مسٹر فریدی تم بہت مغرور ہو گئے ہو۔"

"آپ کا خیال درست نہیں۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا اور اپنی کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

"تو آیئے حمید صاحب۔" فریدی اُلٹی ہوئی کار کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"احمقوں نے اگر ذرا سی بھی عقلمندی کا ثبوت دیا ہوتا تو ہمیں مجرم ثابت کر دینے میں ذرّہ برابر بھی تکلیف نہ ہوتی۔۔۔ یہ دیکھو اِس ہینڈل پر میری انگلیوں کے نشانات موجود ہیں اور دوسری طرف کی کھڑکی پر یقیناً تمہاری انگلیوں کے بھی نشانات ہوں گے۔"

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر ہینڈل صاف کر دیا اور دوسری طرف کی کھڑکی پر بھی رومال پھیرنے لگا۔

"سپرنٹنڈنٹ صاحب ہمارے دُشمن کیوں ہو رہے ہیں؟" حمید نے کہا۔

"بعض لوگ عادتاً ایسے ہوتے ہیں۔۔۔ میں اسے کوئی اہمیّت نہیں دیتا۔" فریدی

نے کہا۔ وہ بغور کار کے ٹوٹے ہوئے حصّوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ ''کُچھ نہیں کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہو سکتی۔'' فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔ ''آؤ چلیں۔''

''شہناز نہ جانے کہاں ہو گی۔'' حمید بولا۔

''سر بنتھال کے یہاں۔'' فریدی بولا۔

''مگر۔۔۔وہ تو۔۔۔!''

''کُچھ نہیں اب کھُل کر سامنے آئے بغیر کام نہیں چلے گا۔''

دو دو باتیں

سر بنتھال اپنے بنگلے میں موجود نہیں تھا۔ فریدی اور حمید ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اُس کا اِنتظار کرنے لگے۔ سر بنتھال کے نوکروں نے اُنہیں ٹالنا چاہا لیکن وہ اِس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حمید کو بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آخر فریدی سر بنتھال کی عدم موجودگی میں اُس کے گھر میں بیٹھ کر کیا کرے گا۔ ڈرائنگ روم عمدہ فرنیچر اور اعلیٰ تصاویر سے مزیّن تھا۔ ان میں زیادہ تر نامور مصوّروں کے شاہکار تھے۔ فرش پر ایران اور کشمیر کے بیش قیمت قالین تھے۔ فریدی یہاں کی ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونک پڑا۔

"حمید ذرا پلٹ کر دیکھنا کیا پیچھے روشن دان میں بِلّی ہے؟" فریدی نے کہا۔

حمید مُڑ کر دیکھنے لگا اور پھر اُسے ہنسی آ گئی۔

"کمال کیا آپ نے۔۔۔" وہ ہنس کر بولا۔ "کیا آپ کی گردن میں بھی آنکھیں ہیں۔ آپ تو سامنے دیکھ رہے تھے پھر آپ کو بِلّی کیسے نظر آ گئی؟"

"صرف بِلّی ہی نہیں دِکھائی دی بلکہ اُس کا خاصا ثبوت مل گیا کہ اُس رات سر بنتھال اُس سے بے خبر نہیں تھا کہ میں اس کا پیچھا کر رہا ہوں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"بھلا بتاؤ تو چھت کے قریب آئینے کیوں لگائے گئے ہیں۔۔۔ اور پھر ہر روشن دان کے سامنے ایک آئینہ ہے۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

حمید نے اب خیال کیا۔ واقعی ہر روشن دان کے سامنے چھت کے قریب ایک ایک آئینہ نصب تھا۔

"ہاں ہے تو بے تکی چیز۔۔۔!"

"بے تکی نہیں کار آمد کہو۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"اُس رات میں نے چھت پر چڑھ کر انہیں روشن دانوں میں سے کسی ایک سے جھانک کر اُس کمرے میں دیکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ کسی نہ کسی آئینے میں میری صورت ضرور دِکھائی دی ہو گی۔ سر بنتھال اپنے ساتھی کے ساتھ یہیں موجود تھا۔۔۔ میں نے اُن دونوں کو بولتے سُنا تھا۔۔۔ اُن کی صورتیں نہیں دِکھائی دی تھیں۔"

"آپ کا یہ خیال غَلَط بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اِس کے علاوہ اِن آئینوں کا کوئی اور مقصد ہو بھی نہیں سکتا۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فریدی بھی خاموش ہو کر کُچھ سوچنے لگا۔

اِتّفاقاً ڈرائنگ روم سے ایک نوکر گُزر کر دوسرے کمرے میں جانے لگا۔ فریدی نے اُسے بلا کر پانی مانگا۔ جب وہ پانی لے کر واپس آیا تو فریدی نے ایک طویل انگڑائی لی اور پانی کا گلاس ہاتھ میں لے کر تعریفی نظروں سے ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگا۔ ''آج کل ایسے آئینے یہاں نہیں ملتے۔'' فریدی نے کہا۔ ''نوکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''میں نے پہلے کبھی انہیں یہاں نہیں دیکھا۔۔ کیا ابھی یہ حال ہی میں یہاں لگائے گئے ہیں۔'' فریدی نے پوچھا۔

''جی ہاں۔۔۔!'' نوکر نے کہا اور گلاس لے کر چلا گیا۔

''کیوں بھئی اب کیا کہتے ہو۔'' فریدی مُسکرا کر بولا۔

''مان گیا۔''

''دیکھیں وہ کب آتا ہے۔''

''میرے خیال سے تو چلئے۔''

"نہیں۔۔۔ ہمیں بیٹھنا ہے۔" فریدی نے کہا اور سامنے والی تصویر پر نظریں گاڑ دیں۔

وہ کُچھ سوچ رہا تھا دفعتاً برآمدے میں قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور سر بنتھال ڈرائینگ روم میں داخل ہوا۔ فریدی اور حمید کو دیکھ کر وہ بے ساختہ بولا۔

"اوہ۔۔۔ فون ٹھیک کرنے آئے ہو۔۔۔ تمہیں میرا انتظار کرنا پڑا۔۔۔ مگر کیوں۔۔۔؟ تم نے نوکروں سے کہہ کر ٹیلی فون بنا کیوں نہیں دیا۔۔۔ رات سے بگڑا پڑا ہے۔۔۔ اچھّا میرے ساتھ آؤ۔"

فریدی مُسکرا کر اٹھا۔۔۔ وہ اور حمید سر بنتھال کے ساتھ چلنے لگے۔ متعدّد کمروں سے گزرتے ہوئے وہ لائبریری میں آئے۔۔۔ سر بنتھال نے میز پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اور خود ایک الماری کھول کر کتابیں دیکھنے لگا۔

"یہ ٹیلی فون بارہ بجے کے بعد تو نہیں خراب ہوا؟" فریدی نے پوچھا۔

سر بنتھال چونک کر اس کی طرف مُڑا۔

"کیا مطلب۔۔۔!"

"ہم لوگ یہ پوچھنے کے لئے آئے ہیں کہ کل رات تُم نے کس کس کو فون کیا تھا؟"

"تُمہیں اس سے کیا مطلب۔۔۔!" سر بنتھال بگڑ کر بولا۔

فریدی نے اپنا ملاقاتی کارڈ اس سے سامنے رکھ دیا۔

"اوہ۔۔۔ لیکن ایک سراغ رساں کا یہاں کیا کام۔۔۔؟"

"کیا کیپٹن خاور تمہارا دوست تھا؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"کل رات اُسے کسی نے قتل کر دیا۔"

"قتل کر دیا۔۔۔!" سر بنتھال نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!"

”مُجھے افسوس ہے۔۔۔وہ بلیرڈ کا اچھّا کھلاڑی تھا۔“

”اُس کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟“

”کُچھ زیادہ نہیں۔۔۔ کیونکہ پندرہ دِن قبل اس سے کلب میں ملاقات ہوئی تھی۔“

”وہ ایک اچھّا نشانہ باز بھی تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”رہا ہو گا۔۔۔مُجھے اس کا کوئی علم نہیں۔“

”اس سے آخری بار کب ملاقات ہوئی تھی؟“

”پرسوں رات کو کلب میں۔۔۔ہم دونوں دوپہر تک بلیئرڈ کھیلتے رہے۔“

”وہ کیسا آدمی تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”ہندوستانیوں میں ایسے خوبصورت آدمی کم دکھائی دیتے ہیں۔“ سر بنتھال بولا۔

”خوب۔۔۔!“ فریدی مُسکرا کر حمید کو آنکھ مارتا ہوا بولا۔ ”اس کی محبوبہ کے

متعلّق کیا خیال ہے؟"

"محبوبہ۔۔۔!" سر بنتھال غرّایا۔ "تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو؟"

"ہمیں اس کی محبوبہ کی تلاش ہے۔"

"تو کیا میں اس کی محبوبہ ہوں؟" سر بنتھال گرج کر بولا۔

"ہمیں تو یہی اِطّلاع ملی ہے۔" حمید بے ساختہ بولا اور فریدی ہنس پڑا۔

سر بنتھال ٹیلی فون کی طرف بڑھا۔

"لیکن ہم نے ابھی اِس کی مرمّت کہاں کی ہے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور سر بنتھال پلٹ پڑا۔

"دیکھو میں کہتا ہوں کہ چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔"

"خیر میں جاتا ہوں۔۔۔اب مُجھے علی فضیل مصری کی روح سے گفتگو کرنی پڑے گی۔"

فریدی دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

سر بنتھال خاموش ہو گیا۔۔۔ فریدی اور حمید دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

"ٹھہرو۔۔۔!" سر بنتھال نے کہا۔

فریدی مُڑا۔۔۔ سر بنتھال کے چہرے پر غصّے کے بجائے گھبراہٹ کے آثار تھے۔

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" سر بنتھال نے اپنے خُشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

فریدی نے اپنی جیب سے ایک رومال نکال کر دو تین بار اُسے فضا میں اُچھالا اور سر بنتھال کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

دفعتاً دور کسی کمرے میں قہقہے کی آواز سُنائی دی جو بتدریج قریب ہوتی جارہی تھی۔۔۔ سر بنتھال دیوانہ وار آواز کی طرف دوڑا اور سامنے والی دیوار سے اس

طرح ٹکرا گیا جیسے وہ اُسے کھُلا ہوا دروازہ سمجھا ہو۔

پھر اس نے وحشیانہ انداز میں جیب سے ریوالور نکالا اور پیچھے ہٹ کر دیوار پر فائر کرنے شروع کر دیے۔

فریدی اور حمید تحیّر آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔ ریوالور کی گولیاں ختم ہو جانے کے بعد سر بنتھال ایک صوفے پر گر گیا۔۔۔ اُس کا چہرہ پسینے میں ڈوب گیا تھا۔۔۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔۔۔ اُس نے ایک بار فریدی اور حمید کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا اور اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

فریدی اور حمید بھی ایک صوفے پر بیٹھ کر سر بنتھال کی بدلتی ہوئی حالت کو دیکھتے رہے۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال سیدھا بیٹھ گیا۔۔۔ اُس کے چہرے پر عجیب قسم کی بے بسی کے آثار تھے۔

"تم کُچھ کہنا چاہتے ہو۔" فریدی بولا۔

سر بنتھال خاموش ہو گیا۔۔۔ اُس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

"تمہاری اِس حرکت کا کیا مطلب تھا؟ میں تمہارے گھر کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں۔۔۔؟ وارنٹ دِکھاؤ!" سر بنتھال بے چینی سے بولا۔

"میں ابھی فون پر اجازت حاصل کیے لیتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"تم شائد قہقہہ لگانے والے کو تلاش کرو گے۔" سر بنتھال ہاتھ ملتا ہوا بولا "لیکن بے سود۔۔۔ وہ چھلّاوہ ہے۔۔۔ اُف میرے خدا۔۔۔" سر بنتھال نے پھر اپنا چہرہ چھپا لیا۔

فریدی نے حمید کو بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال نے سر اُٹھا کر حمید کی طرف دیکھا۔

"تمہارا ساتھی تلاشی لینے گیا ہے۔" وہ مغموم آواز میں بولا۔ "مُجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن وہ مُجھے اِس مُصیبت سے نہیں بچا سکتا۔"

"کیسی مُصیبت۔۔۔؟"

"میں کُچھ نہیں بتا سکتا۔۔۔ نہیں بتا سکتا۔" سر بنتھال مُضطربانہ انداز میں بولا۔

"تُم نے اِس دوران میں کیپٹن خاور کے ساتھ کوئی لڑکی دیکھی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"جہنّم میں گیا کیپٹن خاور میں کُچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال نے بے چینی سے کہا۔

"اور وہ لڑکی۔۔۔؟"

"اوہ۔۔۔!" سر بنتھال مُکّا تان کر غرّاتا ہوا اُٹھنے لگا۔ لیکن پھر کُچھ سوچ کر بیٹھ گیا۔

"تُم پر۔۔۔!" حمید کُچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کمرے میں داخل ہوا۔

سر بنتھال استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہوں۔۔۔" فریدی جھٹکے کے ساتھ صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔ "علی فضیل کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"میں کُچھ نہیں۔۔۔ کُچھ نہیں جانتا۔" سر بنتھال کی آواز بھرّا گئی اور وہ خوفزدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔

"بہت اچھّے۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "ایکٹنگ اچھّی کر لیتے ہو۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" سر بنتھال غصّے سے بولا۔

"میں علی فضیل کے بارے میں کُچھ جاننا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

"کون علی فضیل۔۔۔!"

"مصری سراغ رساں۔"

"میں اُس کے بارے میں کُچھ نہیں جانتا۔"

"تم اس رات جس ڈاڑھی والے کو کلب میں شراب پلا رہے تھے کون تھا؟"

"اوہ۔۔۔!" سر بنتھال چونک کر بولا۔ "وہ۔۔۔وہ۔۔۔!"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ۔۔۔!"

"پادری جیرالڈ۔۔۔!"

"اور تم یہ جانتے تھے کہ وہ سچ مچ پادری جیرالڈ ہے؟"

سر بنتھال پھر چونک پڑا۔۔۔وہ حیرت زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تُم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟" سر بنتھال نے پوچھا۔

"میں تم سے سوالات کر رہا ہوں۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔ "میرے سوال کا جواب دو۔"

”ہاں مُجھے شُبہ تھا کہ وہ جیرالڈ نہیں ہے۔“

”پھر تم اُسے اپنے ساتھ لیے کیوں پھرتے رہے؟“

”محض یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ دراصل کون ہے۔“

”اور اسی لیے تم اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے خود وہاں سے چل دیے۔“

سر بنتھال پھر چونک پڑا۔۔۔وہ فریدی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”تم سب کُچھ جانتے ہو۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔!“ سر بنتھال اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

فریدی بغور اُس کا جائزہ لیتا رہا۔

”ہاں میں اُسے ٹیوی کے حوالے کر کے چلا گیا تھا۔“ سر بنتھال نے اچانک مُڑ کر کہا۔ ”کوئی میرا تعاقب کر رہا تھا۔“

”کون۔۔۔؟“

"میں نہیں جانتا۔" سر بنتھال نے کہا۔ "مُمکن ہے تم ہی کر رہے ہو۔"

"پادری جیرالڈ حقیقتاً کون ہے؟"

"میرا ایک دوست۔ لیکن مُجھے حیرت تھی کہ وہ یک بیک یہاں کیسے پہنچ گیا۔"

"وہ کہاں رہتا ہے؟"

"سوئیز کے علاقے میں۔"

"اوہ تو اس کا تعلّق بھی مِصر ہی سے ہے۔" حمید بے ساختہ بولا۔

"علی فضیل کے لڑکے محمد فضیل کو جانتے ہو؟" فریدی نے پوچھا۔

"غَلَط بکواس۔۔۔ علی فضیل کا کوئی بیٹا نہیں۔" سر بنتھال چیخ کر بولا۔

"مگر تُم تو علی فضیل کو جانتے ہی نہیں تھے۔۔۔ اب اس کے خاندان بھر سے واقف نظر آرہے ہو۔"

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔!" سر بنتھال بے بسی سے ایک صوفے پر گر گیا۔۔۔ لیکن

تھوڑی ہی دیر بعد پھر سنبھل گیا۔

"میں کہتا ہوں۔۔۔ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔" وہ چیخ کر بولا۔

"لیکن یہ بات مت بھولو کہ علی فضیل کی لڑکی ایک رومال کے لیے دلکشا میں قتل کر دی گئی تھی۔" فریدی سر بنتھال کو گھورتا ہوا بولا۔

"کر دی گئی ہوگی۔" سر بنتھال لاپروائی سے بولا۔

"تو تم اُسے جانتے تھے۔"

"ہاں۔۔۔!"

"تم نے پولیس کو اس کی اِطّلاع کیوں نہیں دی۔"

"میری مرضی۔۔۔!"

"تم جانتے ہو کہ یہ جرم ہے۔"

"ہوگا۔۔۔!"

”میں تمھیں شُبے میں گرفتار کر سکتا ہوں۔“

”کون تم۔۔۔!“ سر بنتھال حقارت آمیز لہجے میں بولا۔

”ہاں۔۔۔ میں۔۔۔۔!“

”میں ایک غیر ملکی ہوں۔۔۔ تم براہِ راست ایسا نہیں کر سکتے۔“

”لیکن میں براہِ راست تمہاری ہڈّیاں ضرور توڑ سکتا ہوں۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم برطانیہ کے ایک معزّز اور خطاب یافتہ شہری کی توہین کر رہے ہو۔“ سر بنتھال چیخ کر بولا۔ ”تمہاری حکومت کو اس کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔“

”حکومت جواب دے لے گی۔۔۔ تم بے فکر رہو۔“

”نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ نکلو۔“ سر بنتھال تیزی سے اُٹھ کر دروازے کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔

بُرے پھنسے

"بہت اچھّا سر بنتھال۔" فریدی اُٹھتا ہوا بولا۔ "تمہیں بہت جلد بولنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔"

فریدی اور حمید سر بنتھال کے بنگلے سے نکل آئے ان کی کار تیزی سے ایک طرف جارہی تھی۔

"آپ نے بہت بُرا کیا۔" حمید نے کہا۔

"کیوں۔۔۔!"

"اگر آپ نے اُسے چھیڑا تھا تو اس طرح چھوڑ کر نہ آنا چاہئے تھا۔"

"اس کے علاوہ اب کوئی اور چارہ نہیں رہ گیا۔"

"اگر وہ کہیں نکل بھاگا تو۔۔۔!" حمید نے کہا۔

"مطمئن رہو۔" فریدی نے کہا۔ "اس کے بنگلے کی نگرانی کی جارہی ہے۔"

"اگر بھیس بدل کر نکل گیا تو۔"

"سنو! سر بنتھال ایک مشہور آدمی ہے وہ اس قسم کی حرکت کر کے بچ نہیں سکتا۔ وہ ہمیں مطمئن کئے بغیر اس قسم کا اقدام ہر گز نہ کرے گا۔ اس نے مِصر کے لیے ویزا کی درخواست دی ہے۔ جو اسے میری مرضی کے بغیر نہ مل سکے گا۔"

"بہر حال آپ اس سے گفتگو کرنے کے بعد کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"وہ ایک اوّل درجے کا مکّار ہے۔۔۔ اُس کی اِس وقت کی اداکاری قابلِ داد تھی

لیکن وہ میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتا؟"

"اُسے گرفتار ہی کیوں نہ کیا جائے۔" حمید نے کہا۔

"خیال احمقانہ ہے۔۔۔ تم اس کے خلاف ثبوت نہیں پیش کر سکتے۔"

"آپ غالباً وہاں سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے تھے۔" پھر حمید نے پوچھا۔

"ہاں لیکن کوئی کام کی بات نہیں معلوم ہوئی۔"

"آخر وہ قہقہہ کیسا تھا۔۔۔؟"

"رہا ہو گا۔۔۔ میں ایسی لغویات کی طرف دھیان نہیں دیتا۔"

"لغویات!" حمید حیرت کا اظہار کرتا ہوا بولا۔ "ارے میں نے اُسے اپنے کانوں سے سُنا تھا۔"

"لیکن میرے کانوں سے نہیں سنا تھا۔" فریدی خشک لہجے میں بولا۔

"یعنی۔۔۔!"

”ارے بھائی رہا ہو گا کُچھ۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن وہ اس قابل نہیں کہ میں اُسے خاص طور پر نوٹ کروں۔“

”اوہ سر بنتھال کا وہ دیوانہ پن۔۔۔؟“

”ایک عمدہ قسم کی اداکاری۔۔۔!“

”تو آپ ابھی تک اسی خیال میں ہیں کہ سر بنتھال آپ کو غَلَط راستے پر لگانا چاہتا ہے؟“

”قطعی۔۔۔!“

”لیکن آپ کا خیال غَلَط ہے۔“

”بہت اچھّے۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں۔“

”حمید خاموش ہو گیا۔۔۔ وہ کُچھ سوچ رہا تھا۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہے؟" اس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"کیپٹن خاور کے یہاں۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ۔۔۔وہاں تو ہمیں پہلے ہی جانا چاہئے تھا۔" حمید نے کہا۔

"آج کل بڑے عقلمند ہو رہے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "کیوں نہ ہو شہناز کا معاملہ آ پھنسا ہے نا۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اوہ۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "تو شاید یہ لوگ وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔"

سامنے پولیس کی لاری آ رہی تھی۔ ڈرائیور کے قریب اگلی سیٹ پر انسپکٹر جگدیش بیٹھا تھا۔

فریدی نے کار کی رفتار کم کر دی تھی۔ پولیس کی لاری رُک گئی۔

"کیا تم خاور کے یہاں سے آرہے ہو؟" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔ جگدیش لاری سے اتر کر قریب آگیا۔

"جی ہاں۔۔۔ لیکن کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جو اس کے قتل پر روشنی ڈال سکتی۔"

"کار کے حادثے پر تو میں بھی روشنی ڈال سکتا ہوں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "لیکن قتل پر پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ہی روشنی ڈال سکے گی۔"

"آخر یہ آپ کا سپر نٹنڈنٹ کیوں آپ کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" جگدیش نے کہا۔

"سنو۔۔۔! بعض کُتّے سردیوں میں بھی پاگل ہو جاتے ہیں۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اُس کے لیے ایک آنچ اور ہلکی سی چوٹ کی ضرورت ہے۔"

"خواہ مخواہ کوتوالی آکر وہ رپورٹیں دیکھ رہا تھا جو کیپٹن خاور نے آپ لوگوں کے خلاف لکھوائی تھیں۔" جگدیش نے کہا۔

"ہونہہ۔۔۔ دیکھنے دو بھائی۔۔۔ تمہارا کیا نقصان ہوتا ہے۔"

”میں نے پہلے تو صاف انکار کر دیا تھا مگر بیچ میں ہمارے ایس۔ پی صاحب آ کودے۔“

”خیر چھوڑو۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”کیپٹن خاور کے یہاں کون کون ہے۔“

”کوئی نہیں ہم نے تالا توڑ کر تلاشی لی تھی۔“

”پھر۔۔۔ کیا دوسرا تالا بند کر آئے ہو۔“

”ہاں۔۔۔ اب کسی مجسٹریٹ کی موجودگی میں تالے کو سیل کرادوں گا۔“

”جلدی مت کرو۔۔۔ میں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ یہ قتل یا حادثہ بھی اُسی رومال والے سِلسِلے کی ایک کڑی ہے۔“

”اوہ۔۔۔!“ جگدیش چونک پڑا۔

جگدیش نے تالے کی کُنجی فریدی کے حوالے کر دی۔

”اگر تمہیں میرا اعتبار نہ ہو تو تم بھی ساتھ چلو۔“ فریدی نے کہا۔

"کمال کیا آپ نے۔۔۔!" جگدیش نے کہا اور لاری کی طرف چلا گیا۔

فریدی نے کار اسٹارٹ کر دی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد وہ کیپٹن خاور کے مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ فریدی نے تالا کھولا اور دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔

وہ متعدّد کمروں میں گھومتے پھرے۔۔۔ دفعتاً حمید ایک میز کی طرف جھپٹا۔۔۔ دوسرے لمحے میں اس کے ہاتھ میں سفید رنگ کا ایک رومال بھی تھا۔۔۔ اُس نے اُٹھا کر اُسے سونگھا اور اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی چونک کر اُس کی طرف پلٹا۔

"خُدا کی قسم یہ شہناز کا ہے۔" حمید چیخا۔

فریدی اس کی طرف لپکا۔

"شہناز کا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ رومال میں نے اُسے دیا تھا۔ یہ دیکھیے اِس کونے پر میرے دستخط۔۔۔ اور شہناز یہی خُوش بُو استعمال کرتی تھی۔" حمید نے رومال کو سونگھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔!"

"اور یہ۔۔۔ اور یہ۔۔۔!" حمید زمین کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ چوڑیوں کے ٹکڑے۔۔۔ یہی چوڑیاں شہناز پہنے ہوئے تھی۔۔۔ مجھے اچھّی طرح یاد ہے۔۔۔ ارے وہ سینڈل۔۔۔ خُدا کی قسم یہ بھی شہناز کا ہے۔۔۔ اور۔۔۔ وہ۔۔۔!"

"اب خاموش رہو۔" فریدی اس کے قریب آکر آہستہ سے بولا۔ "ریوالور ہے تمہارے جیب میں۔"

"نہیں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟" حمید چونک کر بولا۔

"میرے پاس بھی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔ "یہاں اِن چیزوں کی موجودگی میں مُجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ یہ سب چیزیں یہاں پولیس کی واپسی کے بعد ڈالی گئی ہیں۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ رہے ہیں۔"

”فریدی صاحب سچ کہہ رہے ہیں سارجنٹ حمید۔“ پیچھے سے کسی نے کہا۔

فریدی اور حمید چونک کر پلٹے۔۔۔ دروازے میں وہی آدمی کھڑا مُسکرا رہا تھا جو فریدی کے تہہ خانے سے نکل بھاگا تھا۔۔۔ اُس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے اور اُن کی نالیں فریدی اور حمید کی طرف تھیں اور وہ اس وقت نہایت فصیح اُردُو بول رہا تھا۔

”اِس کا مطلب۔۔۔؟“ فریدی نے درشت لہجے میں پوچھا۔

”کُچھ نہیں تمہاری عقل مندی اور ذہانت کو تھوڑا سا مزہ چکھاؤں گا۔“

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔!“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”تم نے اپنا نام شاید محمد فضیل بتایا تھا۔۔۔ اور تم اپنی بہن کے قاتل ہو۔“

”فضول بکواس مت کرو۔“

”اور تم میرے والد کے دوست علی فضیل کے لڑکے ہو۔“

"ہاں ہاں ٹھیک ہے اس طرح تم میرے بھائی ہوئے۔" اُس نے کہا۔ "اپنے منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا اور لوگ یہی سمجھیں گے تُم شہناز کو غائب کر کے اور خاور کو جان سے مار کر کہیں فرار ہو گئے۔"

"جلدی کرو۔۔۔ میرے پاس وقت نہیں۔"

حمید اور فریدی نے اپنے ہاتھ منہ پھیر لئے۔

"اب آگے بڑھو۔۔۔ اگر پلٹ کر دیکھا تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔"

فریدی اور حمید چلنے لگے انہیں متعدّد کمروں سے گزرنا پڑا۔۔۔

"دیکھا تُم نے؟" فریدی حمید سے بُلند آواز میں بولا۔ "ہمیں راستے بھر چوڑیوں کے ٹکڑے ملے ہیں۔ اور ان کا سِلسِلہ یقیناً کسی تہہ خانے کے قریب گیا ہو گا۔"

فضیل نے قہقہہ لگایا۔

"بہر حال میں نے جو جال بچھایا تھا اس میں کامیاب ہو گیا۔۔۔ تمہیں کسی قسم کی

تکلیف نہ ہونے پائے۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں بھی تمہیں ایک تہہ خانے میں مہمان رکھ سکتا ہوں لیکن تم اس میں سے نکل نہ سکو گے۔"

"بھلا میں کسی بد روح کا مُقابلہ کیسے کر سکتا ہوں۔۔۔ میں اپنے ساتھ ٹائم بم تو لے کر چلا نہیں۔۔۔!" فریدی نے ہنس کر کہا۔

"آدمی دلیر ہو۔۔۔ لیکن اتنے دلیر بھی نہیں کہ مِصر کے قدیم رازوں کو دریافت کر سکو۔" فضیل بولا۔ "جلدی چلو۔۔۔ میرے ساتھ کس قسم کی مکّاری کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔"

"اے میرے والد کے دوست کے بیٹے تم اتنے مروّت سے کیوں پیش آ رہے ہو؟"

فریدی مُڑ کر بولا۔۔۔ اور فضیل نے فائر کر دیا۔ اگر فریدی بیٹھ نہ جاتا تو سر اُڑ ہی گیا ہوتا۔ "اُٹھو۔۔۔!" فضیل گرج کر بولا۔ "میں اب زیادہ خون نہیں کرنا چاہتا۔۔۔ میرا کوٹا قریب قریب پورا ہو چکا ہے۔"

فریدی کھڑا ہو گیا۔

"اپنا منہ دروازے کی طرف پھیر لو۔" فضیل نے کہا۔

فریدی پھر دروازے کی طرف مُڑ گیا۔

"لیکن اگر مجبور کرو گے تو تمہیں جہنّم تک کیپٹن خاور کا تعاقب کرنا پڑے گا۔" فضیل نے کہا۔

"میرا محکمہ مُجھے اِس کی اجازت نہ دے گا۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"لیکن ہم تمہیں جہنّم تک ضرور پہنچا دیں گے۔" حمید نے کہا۔

"شش شش تم مت بولو۔" فریدی نے کہا۔ "بزرگوں کا ادب کرنا سیکھو۔۔۔ فضیل عمر میں تم سے بڑا معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھّا بکواس بند۔۔۔" فضیل غصّے میں چیخا۔ "اب رُک جاؤ۔۔۔ اس قالین کو اُلٹو۔۔۔!"

وہ لوگ ایک ایسے کمرے میں پہنچے جہاں فرنیچر ہی نہیں تھا۔ فرش پر ایک خوبصورت قالین بچھا ہوا تھا اور چاروں طرف بڑے بڑے تکیے رکھے ہوئے تھے۔

فریدی قالین اُلٹنے کے لیے جھکا۔۔۔ اور قالین کا کنارا دونوں ہاتھوں میں مضبوط پکڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"آگے کی طرف اُلٹ دو۔۔۔!" فضیل تحکمانہ لہجے میں بولا۔

فریدی نے ایک بار قالین کو پوری قوّت سے تولا اور اپنے سر پر سے اچھّال کر پیچھے کی طرف پھینک دیا۔ فضیل اس سے بے خبر تھا۔ پوری قالین اس پر آ رہی اور خود فریدی اور حمید بھی اس کی لپیٹ سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ تینوں زمین پر ِگر گئے تھے اور فریدی قالین کے نیچے فضیل سے گتھا ہوا تھا۔۔۔ پستول پہلے ہی فضیل کے ہاتھوں سے نکل گئے تھے۔

"حمید پستول۔۔۔!" فریدی چیخا۔ "پستول تلاش کرو۔"

”دیکھو۔۔۔!میں اب تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔“فضیل ہانپتا ہوا بولا۔ اس نے فریدی کے ہاتھوں میں کئی جگہ دانت کاٹے تھے۔

دفعتاً پستول چلنے کی آواز آئی اور حمید چیخ پڑا۔ فریدی کی گرفت ڈھیلی ہو گئی اور فضیل ایک ہی جھٹکے میں فریدی کے شکنجے سے آزاد ہو گیا۔۔۔ وہ بڑی پھُرتی سے قالین کے نیچے سے نکلا اور دوسرے ہی لمحے میں کمرے کے باہر تھا۔۔۔ فریدی نے قالین اُلٹ دی ایک پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔۔۔ وہ بھی باہر کی طرف جھپٹا۔۔۔ حمید بھی اٹھا۔۔۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔ اُس نے فرش پر پڑا ہوا دوسرا پستول اٹھالیا اور اُسے قہر بھری نظروں سے گھورنے لگا۔

”گولی تو نہیں لگی۔“فریدی نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔”وہ نکل گیا۔“

”میں کیا بتاؤں۔۔۔ مگر میں نے غَلَطی کی۔۔۔ میں قالین کے نیچے پستول ڈھونڈنے لگا۔۔۔ اور وہ کم بخت میرا ہاتھ پڑتے ہی چل گیا۔۔۔!“

”اوہ تو یہ کہو۔۔۔ احمق کہیں کے اگر اُس کا رُخ تمہاری یا میری طرف ہوتا تو ہم لوگ کہاں ہوتے؟“

”اب کیا کیا جائے۔۔۔؟“ حمید بے بسی سے بولا۔

”کُچھ پرواہ نہیں۔۔۔ کب تک بچے گا۔۔۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہاں سے جلدی نکل چلو۔۔۔ یہ مکان خطرناک معلوم ہوتا ہے۔“

دونوں صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

”یوں نہیں۔۔۔!“ فریدی بولا۔ ”ہم دونوں اپنی پیٹھ ملا کر چلیں۔“

”وہ کیوں۔۔۔؟“

”اگر پیچھے سے کسی نے حملہ کیا تو۔۔۔؟“ فریدی نے کہا۔

”مگر میں اُلٹا نہ چل پاؤں گا۔“ حمید بے بسی سے بولا۔

”تم سے کون کہتا ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میں اُلٹا چلوں گا۔“

دونوں پُشت ملا کر چلنے لگے۔ حمید کو ہنسی آ گئی۔ وہ سیدھا چل رہا تھا۔ اور فریدی اُس سے پیٹھ ملائے ہوئے اُلٹا چل رہا تھا۔ دونوں آہستہ آہستہ صدر دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"ہنسو نہیں پیارے۔" فریدی بولا۔ "زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب اس سے بھی زیادہ مضحکہ خیز بننا پڑتا ہے۔"

دونوں اپنے دائیں بائیں نظریں ڈالتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔

"تم بہت جلدی کر رہے ہو۔" فریدی بولا۔ "کیا مُجھے گرانے کا ارادہ ہے؟"

حمید نے رفتار دھیمی کر دی۔

"ڈرو نہیں۔۔۔ اس طرح ہم محفوظ ہیں۔" فریدی نے کہا۔ لیکن وہ دونوں چھت کی طرف سے بے خبر تھے۔۔۔ دفعتاً چھت کا ایک روشن دان کھلا اور ایک بڑا سا جال فریدی اور حمید پر آ گرا۔۔۔ قبل اس کے کہ وہ سنبھلتے جال کے سِرے پر لگی ہوئی رسّی کھینچ لی گئی۔۔۔ دونوں پھنس کر رہ گئے۔

”خبردار فائر مت کرنا۔“ اوپر سے آواز آئی۔ ”یہ کمرہ سڑک کے قریب ہے۔۔۔فائر کی آواز سُن کر راہ گیر اکٹھا ہو جائیں گے۔ لیکن اُن کے یہاں پہنچتے پہنچتے تم دونوں ختم کر دیے جاؤ گے۔“

”ٹھہرو۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”تم آخر چاہتے کیا ہو؟“

”اپنے پستول جال سے نکال کر دور پھینک دو۔“ اوپر سے آواز آئی۔

”ارے میرے والد کے دوست کے بیٹے، تو واقعی بڑا ستم ظریف ہے۔“ فریدی ہنس کر بولا۔

”کم بخت۔۔۔“ اوپر سے آواز آئی۔ ”پستول پھینکتے ہو یا میں اپنا کام کر کے چلتا بنوں؟“

”لے بھئی تو بھی کیا یاد کرے گا۔“ فریدی نے دونوں پستول اوپر پھینک دیے۔

”ٹھیک۔۔۔ اب خاموشی سے پڑے رہو۔۔۔ میں ابھی آیا۔“ اوپر سے آواز آئی۔

چند لمحوں کے بعد فضیل کمرے میں داخل ہوا اور اس نے پستول اٹھا لئے۔

"ارے میرے والد کے دوست کے۔۔۔!"

"خاموش رہو۔۔۔!" فضیل غرّا کر بولا۔

"تم اُردُو بہت اچھّی بول لیتے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں دس زبانوں کا ماہر ہوں۔" فضیل مُسکرا کر بولا۔

"لیکن سر بنتھال اُردُو نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔

"اوہ سر بنتھال۔" فضیل نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر معنی خیز انداز میں بولا۔ "میں اُسے عنقریب اُردُو سکھاؤں گا۔ اچھّا اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے۔۔۔ ورنہ۔۔۔!"

"ہمیں قتل کر دو گے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

فضیل نے جال کی رسّی کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ دونوں زمین پر گر پڑے۔۔۔

فضیل جال کو کھینچتے ہوئے لے چلا۔

فریدی زخمی شیر کی طرح پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"خدا کی قسم ایسی ذلّت کبھی نہیں ہوئی۔" وہ ہانپتا ہوا آہستہ سے بولا۔

فضیل جال کو کھینچتا ہوا اس کمرے میں لے آیا جہاں قالین اُلٹی گئی تھی۔

"اب تم تہہ خانے میں جا رہے ہو۔" فضیل بولا۔ "یہ چیز مُجھ پر تمہاری طرف سے ادھار تھی۔۔۔ لیکن گھبراؤ نہیں تم نے مُجھ سے کوئی بُرا سلوک نہیں کیا تھا۔ یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گی۔"

اس نے تہہ خانے کا ڈھکن اٹھایا اور جال کو کھینچ کر نیچے دھکیل دیا۔ فریدی اور حمید جال میں اُلجھے ہوئے سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے فرش پر آ گرے۔۔۔ اوپر ڈھکن بند کر دیا گیا۔ تہہ خانے میں بالکل اندھیرا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب اُن کی آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو انہیں دو شکلیں دکھائی دیں۔

"شہناز۔۔۔!" حمید چیخا۔

"مقصود تم بھی آ پھنسے۔" فریدی نے کہا۔ "کھڑے دیکھتے کیا ہو اس جال کا منہ کھولو۔"

"ارے انسپکٹر صاحب آپ۔" مقصود تحیّر آمیز لہجے میں چیخ کر آگے بڑھا۔ دوسرے لمحے میں فریدی اور حمید جال کے باہر تھے۔

"اس گدھے کی بدولت مُجھے یہ دِن دیکھنا پڑا۔" فریدی نے حمید کی طرف اشارہ کر کے شہناز سے کہا۔

"اب کیا کروں۔۔۔وہ کم بخت چل ہی گیا۔"حمید جھلا کر بولا۔

"خیر خیر بکو نہیں۔" فریدی نے کہا اور مقصود کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تم یہاں کیسے پہنچے؟"

"میں آپ کے حکم کے مطابق شہناز صاحبہ کے مکان کی نگرانی کر رہا تھا کل شام کیپٹن خاور انہیں اپنے کلب لے گیا۔۔۔ میں ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔۔۔ پھر وہ انہیں یہاں اپنے گھر لایا۔ میں پلٹ کر آپ کو فون کرنے ہی والا تھا کہ کسی نے

پیچھے سے میرے سر پر کوئی وزنی چیز ماری میں بے ہوش ہو گیا۔۔۔ اور پھر جب آنکھ کھلی تو میں شہناز صاحبہ سمیت اس تہہ خانے میں تھا۔"

"تم اُس کے ساتھ کلب کیوں گئیں تھیں؟" حمید شہناز کی طرف مُڑ کر تیز لہجے میں بولا۔

"اچھّا بس بس فضول بکواس نہیں۔" فریدی حمید کو گھور کر بولا۔

"مُجھے دھوکا دیا گیا تھا۔" شہناز بولی۔

"مُجھے یقین ہے۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی اس کی پیش گوئی کر دی تھی اور اسی لیے تمہاری حفاظت کے لیے مقصود کو بھیجا گیا تھا۔"

"لیکن تمہیں دھوکا کیسے دیا گیا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم پھر بولے۔" فریدی نے کہا اور شہناز سے بولا۔ "تم نے کیپٹن خاور کے لیے کُچھ ایصال ثواب بھی کیا یا نہیں۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"وہ بے چارا پچھلی رات شیطان کو پیارا ہو گیا۔"

"اوہ۔۔۔کیسے۔۔۔!"

"کار اُلٹ گئی۔۔۔ کنپٹی میں گولی لگ گئی۔"

"ارے۔۔۔!" مقصود اچھل کر بولا۔

"اس نے مُجھ سے کہا تھا کہ فریدی صاحب تمہیں کلب میں بلا رہے ہیں۔۔۔ میں اس کے ساتھ کلب گئی۔۔۔ وہاں ایک بیرے نے اُسے ایک چٹ دی۔۔۔ وہ آپ کی طرف سے تھی۔ اُس میں آپ نے لکھا تھا کہ میں تمہارے گھر جا رہا ہوں تم شہناز کو لے کر وہاں آؤ۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی جیب سے سگار نکال کر سلگاتا ہوا بولا۔ "بہر حال وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا۔ میں نے تمہیں ہر گز نہیں بلایا تھا۔"

”لیکن کیا ہم اب یہاں چوہوں کی طرح بند رہیں گے۔“ حمید نے کہا۔

”آدمیوں کی طرح۔“ فریدی نے منہ اور ناک سے دھوئیں کے گنجان لہریئے نکالتے ہوئے کہا۔

”اب آپ کس کے قتل کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔“ حمید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”جبّار کے۔۔۔!“ فریدی نے کہا اور سگار کا کونا چبانے لگا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔۔۔ ماتھے پر شکنیں تھیں اور آنکھیں اَدھ کھلی۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے نیند آ رہی ہو۔

”آپ تو اتنے اطمینان سے بیٹھے ہیں جیسے اپنا ہی گھر ہو۔“ حمید نے کہا۔

”ہوں۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا۔ ”میں نے سُنا نہیں۔“

”میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آخر کب تک یہاں بند پڑے رہیں گے۔“

"ابھی دیر ہی کتنی ہوئی ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور بجھا ہوا سگار ایک کونے میں پھینک کر ٹہلنے لگا۔ پھر وہ تہہ خانوں کے زینوں پر چڑھا اور تھوڑی دیر بعد پھر وہیں واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تختہ کیلوں سے جڑ دیا گیا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" حمید بے بسی سے بولا۔

"بلکہ بہت بُرے سے بھی بُرا ہوا۔" فریدی نے داہنے شانے کو جنبش دے کر کہا۔

"اب کیا ہو گا؟" حمید بے تابی سے بولا۔

"ہو گا یہ کہ تم تھوڑی دیر بعد فضیل کو بوڑھی کی طرح کلکلا کلکلا کر کوسنا شروع کر دو گے۔"

سر بنتھال کی لاش

فریدی پر خاموشی کا دورہ پڑ گیا۔ شہناز حمید اور مقصود سرگوشیاں کرتے رہے۔ فریدی کبھی اُٹھ کر ٹہلنے لگتا اور کبھی بیٹھ جاتا۔ اس نے کئی بار تہہ خانے کا ڈھکّن ہٹانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔

"آخر اس نے ہمیں کیوں اس چوہے دان میں بند کر دیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"تاکہ من مانی حرکتیں کر سکے۔" فریدی نے کہا۔ "ہمارے خلاف کیپٹن خاور کی رپورٹ کو تقویت دینے کے لیے ہمارے اِس طرح غائب ہو جانے پر آفیسروں

کا شُبہ بھی یقین میں بدل جائے گا اور وہ کیپٹن خاور کے صحیح قاتل کا پیچھا چھوڑ کر ہماری تلاش شروع کر دیں گے۔"

"کیا کیپٹن خاور کی کوئی رپورٹ آپ کے خلاف ہے۔" شہناز نے پوچھا۔

"ہاں اُس کا تعلّق تمہاری ذات سے ہے۔ اس نے یہ رپورٹ کی تھی کہ تُم اس کی خالہ زاد بہن اور منگیتر ہو اور ہم لوگ تمہیں پریشان کرتے ہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اُف میرے خُدا۔ اُس کُتّے نے میری نادانستگی میں کیا کیا کر ڈالا۔" شہناز دانت پیس کر بولی۔

"تم آخر اس کے ساتھ رہتی ہی کیوں تھیں۔" حمید جھلّا کر بولا۔

"پھر تُم نے بکواس کی۔" فریدی نے حمید کو گھور کر دیکھا۔

"بھلا میں کیا کر سکتی تھی۔"

"ٹھیک ہے۔" فریدی ہاتھ اُٹھا کر بولا۔

پھر خاموشی چھا گئی۔

فریدی اُٹھ کر زینوں کی طرف چلا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ ایک بار پولیس اس کی تلاش میں بھی وہاں ضرور آئے گی۔ وہ اوپر کے آخری زینے پر بیٹھ گیا۔۔۔ گھڑی نے چھ بجائے اور وہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔۔۔ تہہ خانے میں بالکل اندھیرا چھا گیا۔ فریدی نے دیاسلائی جلائی۔ طاق پر ایک موم بتّی رکھی تھی اُس نے اُسے روشن کر دیا۔

"رات بھی ہو گئی۔" حمید مایوسی سے بولا۔

"اور صُبح بھی ہو جائے گی۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"آپ کو تو ہر وقت مذاق سوجھتا ہے۔"

"اب یہاں اس حالت میں مذاق کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جاتا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"تو آپ کو کوئی پریشانی نہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"پریشانی کس بات کی؟" فریدی نے کہا۔ "یہاں فرش پر سونے میں تھوڑی سی تکلیف ضرور ہو گی۔۔۔ اور شاید حمید کو بھوک بھی ستائے۔"

"ہم نے کل رات سے کھانا نہیں کھایا ہے۔۔۔!" مقصود بولا۔

"یہ چیز تکلیف دہ ہے۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "کسی نہ کسی وقت پولیس یہاں ضرور آئے گی۔"

"تہہ خانے میں۔۔۔!" حمید نے چونک کر پوچھا۔ "ٹھہرو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہو رہی ہے۔" فریدی نے ہاتھ اُٹھا کر انہیں چُپ رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر وہ اُٹھ کر آہستہ آہستہ تہہ خانے کے زینوں پر چڑھنے لگا۔

اوپر کمرے میں کئی قدموں کی آہٹ معلوم ہو رہی تھی۔ حمید بھی فریدی کے پیچھے پیچھے چلا آیا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کوئی بھی ہو۔" فریدی نے کہا۔ "میں یہ ڈھکن پیٹنے جارہاہوں اگر پولیس ہو گی تو ضرور اِس طرف متوجّہ ہو جائے گی اور اگر مجرم ہوئے تو خیر۔۔۔!"

فریدی نے تہہ خانے کے ڈھکن کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنا شروع کر دیا۔ قدموں کی آہٹ رک گئی۔۔۔ وہ بدستور اس تختے کو پیٹتا رہا۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا جیسے اوپر سے بھی کوئی اسے پیٹ رہا ہو۔

"شاید مجرموں نے اِس تختے میں کیلیں جڑ دی تھیں پولیس جنہیں اُکھاڑ رہی ہے یا پھر مجرم کیلیں جڑنا بھول گئے تھے۔ اب جڑ رہے ہیں۔ بہر حال جو کُچھ بھی ہو ہمیں کسی خاص بات کے لئے منتظر رہنا چاہئے۔" فریدی نے کہا۔

وہ دونوں نیچے اُتر آئے۔ بدستور ہتھوڑے چل رہے تھے اور پھر چڑ چڑاہٹ کی آواز آئی حمید اُچھل پڑا۔ زینوں پر کئی قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور انسپکٹر جگدیش کا چہرہ دکھائی دیا۔

"اوہ میرے باپ۔" جگدیش چیخ کر بولا۔ "یہاں تو جانی پہچانی صورتیں نظر آرہی

ہیں۔"

فریدی آہستہ سے اُٹھ کر آگے بڑھا۔

"ارے آپ بھی ہیں۔" جگدیش آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"جی۔۔۔!" فریدی نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور جگدیش کو اس طرح گھورنے لگا جیسے اچانک حملہ کر بیٹھے گا۔ جگدیش لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"تم نے پہلی بار کس طرح تلاشی لی تھی۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"اچھّی طرح۔۔۔!"

"اسی طرح۔۔۔!" فریدی نے شہناز اور مقصود کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لیکن آپ لوگ یہاں پہنچے کیسے؟" جگدیش نے پوچھا۔

"اوپر چلو۔۔۔!" فریدی نے کہا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔

کمرے میں پہنچتے ہی سب سے پہلے اس کی مُڈبھیڑ اپنے محکمے کے سپرنٹنڈنٹ سے

ہوئی۔

"کہیے صاحب پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کا کیا رہا۔" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"تمہارا خیال صحیح تھا۔" سپرنٹنڈنٹ نے منہ سکوڑ کر کہا۔ "لیکن تم یہاں کیا کر رہے تھے۔"

"مکھّیاں مار رہا تھا۔" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "دفتر میں چونکہ کافی صفائی رہتی ہے اس لیے وہاں زیادہ تعداد میں مکھّیاں دستیاب نہیں ہوتیں۔"

فریدی آگے بڑھا لیکن دوسرے ہی لمحہ میں اُسے لوٹنا پڑا۔ دوسرے کمرے میں اُس کے محکمے کے ڈی آئی جی اور سول پولیس کے کُچھ اعلیٰ افسر بھی موجود تھے۔

"اِس کا مطلب۔۔۔!" فریدی نے اس کمرے کی طرف اشارہ کر کے جگدیش سے پوچھا۔ "اوہ۔۔۔ یہاں ایک لاش بھی ہے۔"

"لاش؟ کس کی لاش۔۔۔؟"

”ایک خطاب یافتہ اور معزّز انگریز سر بنتھال کی۔“ جگدیش نے کہا۔

”اوہ۔۔۔!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ اُس کی آواز میں مایوسی تھی۔

وہ سب دوسرے کمرے میں پہنچے۔

”ہیلو فریدی۔۔۔!“ ڈی آئی جی اس کی طرف بڑھا۔

”میں نے جو رپورٹ آپ کو دی تھی اس کے مطابق سب کُچھ ہوا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن تُم اِس وقت یہاں کہاں۔“ ڈی آئی جی نے کہا۔

”یہی میں آپ سے پوچھنے والا تھا۔“

”سر بنتھال کی لاش یہاں پائی گئی ہے۔“

”کہاں ہے؟“

”دوسرے کمرے میں۔“

"وہاں سے سب کو ہٹا دیجئے۔" فریدی نے کہا۔ "اور مُجھے تنہا وہاں جانے دیجئے یا آپ بھی میرے ساتھ چلئے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

وہ دونوں اس کمرے کی طرف چلے گئے۔

جگدیش شہناز کا بیان لکھ رہا تھا۔ حمید اور مقصود نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ نے انہیں کریدنے کی کوشش کی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ تھوڑی دیر بعد فریدی منہ لٹکائے ہوئے کمرے سے واپس آیا۔ اُس کے چہرے پر مایوسی اور ناکامی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

"کیا بات ہے۔" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"کُچھ نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔" فریدی بے دلی سے بولا۔

"دیکھئے آخر میرا ہی خیال سچ نکلا نا۔۔۔!" حمید چہک کر بولا۔

"شاگرد کس کے ہو۔" فریدی کھسیانی ہنسی کے ساتھ بولا۔ "اگر استاد نے شکست کھائی تو کیا ہوا۔"

تھوڑی دیر بعد سر بنتھال کی لاش وہاں سے ہٹادی گئی۔ وہاں ضروری کاروائی کے بعد یہ پارٹی سر بنتھال کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔۔۔ شہناز گھر بھیج دی گئی۔ فریدی سر بنتھال کی ایک ایک چیز کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ ایک گھنٹے کے بعد وہ بھی تھک ہار کر سر بنتھال کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھا۔

"دو تین دِن کے دوران شہر میں چار قتل ہو گئے۔" ایس پی بولا۔ "ہم ابھی تک کُچھ نہ کر سکے۔"

فریدی سمجھ گیا کہ روئے سخن کس کی طرف ہے۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔

"لیکن سر بنتھال یہاں کس لیے مقیم تھا۔" محکمہ سُراغ رسانی کے ڈی آئی جی نے کہا۔

"وہ ہمارے ملک کے آثارِ قدیمہ کے متعلّق ایک کتاب لکھ رہا تھا۔" فریدی بولا۔ "شاید آپ کی نظروں سے اس کی کتاب Ruins of Egypt گزری ہو۔۔۔ مصری آثارِ قدیمہ پر اِس سے اچھّی کتاب شاید ہی کسی نے لکھی ہو۔"

”اوہ۔۔۔ ٹھیک ہے میں نے اس کتاب کی شہرت سُنی ہے۔“ڈی آئی جی نے کہا۔
اور پھر کُچھ دیر کی کاروائی کے بعد وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔

فریدی راستے بھر خاموش رہا۔ حمید بھی خاموش تھا۔ اسے سب سے زیادہ کار کے غائب ہو جانے کا غم تھا۔ شاید فضیل ہی انہیں تہہ خانے میں بند کر کے ان کی کار بھی اڑا لے گیا تھا۔ اس وقت وہ ٹیکسی کر کے گھر جا رہے تھے۔ سردی کی شدّت سے اُن کے دانت بج رہے تھے۔ گیارہ بج گئے تھے۔ شہر آہستہ آہستہ سنسان ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی ٹیکسی کی ہیڈ لائٹ کی روشنی فریدی کی کوٹھی کے پھاٹک پر پڑی حمید اُچھل پڑا۔

فریدی کی کار سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔

دونوں ٹیکسی سے اُتر آئے۔۔۔ فریدی نے کار میں ہاتھ ڈال کر ہارن دیا اور چوکیدار نے پھاٹک کھول دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ڈرائنگ روم میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے۔

"فضیل کی دلیری پر حیرت ہوتی ہے۔" حمید بولا۔ "غالباً ہماری کار وہی یہاں چھوڑ گیا ہے۔ اور یہ خط بھی دیکھو! جو اگلی سیٹ پر پڑا ملا ہے۔" فریدی نے ایک لفافہ حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

حمید خط نکال کر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔

"پیارے فریدی۔۔۔

مُجھے اُمّید ہے کہ تُم ہوش میں آ گئے ہو گے۔ یاد رکھو کہ میرے پیچھے پڑنے کا نتیجہ موت ہے۔ میں بہادروں کی قدر ضرور کرتا ہوں لیکن ایک حد تک۔۔۔ جہاں کسی دلیر نے کم از کم میرے معاملے میں اِن حدود سے قدم نکالا میں اسے معاف کرنا چھوڑ دیتا ہوں۔۔۔ سر بنتھال کا حشر دیکھو اور عبرت پکڑو۔ اُسے تو میں کسی حالت میں بھی معاف کر ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ اُسے رومال کا راز معلوم تھا اور وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ میں تمہارے ملک سے جا رہا ہوں۔ بالکل اسی طرح یہاں سے نکل جاؤں گا جس طرح تمہارے مستحکم ترین تہہ خانہ

سے نکل گیا تھا۔ اگر تمہیں میری قید میں کُچھ تکلیف ہوئی تو معاف کرنا۔۔۔ مُجھے افسوس ہے کہ تمہیں وہاں دِن بھر بھوکا رہنا پڑا۔

فضیل (یا جو کُچھ بھی تم سمجھو)

نوٹ: واضح رہے کہ مِصر کے جاسوس علی فضیل سے میرا کوئی تعلّق نہیں۔"

حمید خط ختم کرنے کے بعد تحیّر آمیز نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ چوٹ زندگی بھر یاد رہے گی۔" فریدی ہنس کر بولا۔

"آخر یہ فضیل ہے کون۔" حمید نے پوچھا۔

"خُدا جانے۔۔۔ لیکن ہے دلیر آدمی۔۔۔ لیونارڈ اور جبّار کے بعد یہ دوسرا آدمی ملا ہے جس نے مُجھے اتنی ذہنی اور جسمانی ورزش پر مجبور کیا۔" فریدی نے کہا اور اُٹھ کر ٹیلی فون کے نمبر ملانے لگا۔

"ہیلو۔۔۔ کون بول رہا ہے۔۔۔ اچھّا۔۔۔ جگدیش۔۔۔ میں ہوں۔۔۔

فریدی۔۔۔ دیکھو ٹیوی اور اُس کے لواحقین کو سر بنتھال کے قتل کی خبر شائع ہونے سے پہلے ہی حراست میں لینے کی کوشش کرو۔ اُن سے سر بنتھال کے متعلّق بہت سی باتیں معلوم ہو سکیں گی۔۔۔ اوہ۔۔۔ اچھّا اگر اسی وقت انہیں پکڑ سکو تو بہتر ہے۔۔۔ میں صُبح آؤں گا۔۔۔ کم از کم انہیں رات بھر حوالات میں ضرور رکھو۔۔۔ اچھّا شب بخیر۔" فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔

"بھئی اب تو سونا چاہیئے۔" فریدی جمائی لیتا ہوا بولا۔

دوسرے دِن صُبح ہی صُبح فریدی اور حمید کوتوالی پہنچے۔ ٹیوی اور اُس کی بیوی حوالات میں بند تھے۔

"کیا اِن کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔" فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

"گھر میں یہی دونوں تھے۔" جگدیش نے جواب دیا۔ فریدی ٹیوی اور اس کی بیوی کی طرف متوجّہ ہوا۔ ٹیوی کی بیوی حمید کو گھور رہی تھی۔

"کیا یہی وہ آدمی ہے جو اُس رات تمہارے گھر کی لائٹ فیوز کر کے نکل بھاگا

تھا؟" فریدی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں یہی تھا۔" عورت بولی۔

"تم سر بنتھال کو جانتے تھے؟" فریدی نے ٹیوی سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔!"

"وہ کون تھا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیا سر بنتھال نے تمہیں اِس کے متعلّق کوئی اِطّلاع دی تھی؟"

"ہاں۔۔۔!"

"کس وقت۔۔۔؟"

"دوپہر کو۔۔۔!"

"اس رات تمہارے گھر میں وہ دوسرے آدمی کون تھے۔۔۔ اور وہ اب کہاں

ہیں؟"

"لیفٹیننٹ مارگن اور کیپٹن خاور۔۔۔لیفٹیننٹ مارگن کل انگلینڈ گیا۔"

"کس وقت۔۔۔؟"

"شام کو۔۔۔!"

"لیفٹیننٹ مارگن سر بنتھال کو جانتا تھا؟"

"ہاں۔۔۔!"

"تمہارا سر بنتھال اور اِن دونوں سے کیا تعلّق۔۔۔؟"

"ہم تینوں دوست تھے۔"

"تمہارے دو دوستوں کا تو خاتمہ ہو گیا۔" فریدی نے کہا۔ "کیپٹن خاور سے تُم لوگوں کی دوستی کتنی پُرانی تھی؟"

"زیادہ پرانی نہیں۔" ٹیوی بولا۔ "شاید آج سے ایک ہفتہ قبل سر بنتھال نے

کلب میں اُس سے میرا تعارف کرایا تھا۔"

"سر بنتھال نے تمھیں یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اِس بے ہوش آدمی کو تمھارے سپرد کیوں کرنا چاہتا تھا۔"

"ہاں اُس نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دُشمن کو لائے گا جسے مُجھے حراست میں رکھنا پڑے گا۔"

"یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ جرم ہے تُم نے ایسی حرکت کا ارادہ کیوں کیا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"میں جرم کی سزا بھگتنے کے لیے تیّار ہوں۔" ٹیوی بیزاری سے بولا۔

"تُم کیا کرتے ہو؟"

"اینڈرسن اینڈ اینڈرسن میں منیجر ہوں۔"

"تمھاری بیوی کو تمھاری اِس حرکت کی اِطّلاع تھی۔"

”نہیں۔۔۔!“

”کیا تُم یہ بتا سکتے ہو کہ سر بنتھال کے قتل میں کس کا ہاتھ ہو سکتا ہے؟“

”میں بھلا اِس کے متعلّق کیا بتا سکتا ہوں۔“

”اُس کا کوئی دُشمن۔۔۔!“

”میں یہ بھی نہیں جانتا۔“

”لیکن ابھی تم نے اُس کے کسی دُشمن کا تذکرہ کیا تھا۔“

”ہاں! لیکن میں نے پہلے ہی کہہ دیا کہ سر بنتھال نے مُجھے اُس کے متعلّق کُچھ نہیں بتایا تھا۔“

”مگر تُم نے ابھی اِس کا اقرار کیا ہے کہ تُم اسے کاندھے پر لاد کر گھر میں لے جا رہے تھے۔“

”لیکن میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔“

”اوہ۔۔۔!“

”لیفٹیننٹ مارگن یہاں کب سے مقیم تھا؟“

”ایک ماہ سے۔“

”کیوں آیا تھا؟“

”مُجھ سے ملنے۔۔۔اور شکار کھیلنے۔“

”کیپٹن خاور اور لیفٹیننٹ مارگن کو سر بنتھال کی اُس رات والی حرکت کی اِطّلاع تھی۔“

”صرف لیفٹیننٹ مارگن جانتا تھا۔“

”کیپٹن خاور اس وقت تمہارے یہاں کیا کر رہا تھا؟“

”ہم تینوں فلش کھیل رہے تھے۔“

”تم ایک دوسرے جرم کا اعتراف کر رہے ہو۔“ فریدی مُسکرا کر آنکھ مارتا ہوا

بولا۔ ٹیوی خاموش ہو گیا۔

پھر فریدی اس کی بیوی کو الگ لے گیا اور کافی دیر تک اُس سے گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ پلٹ کر پھر ٹیوی کی طرف آیا تو ٹیوی نے پوچھا۔

"ہمیں حوالات میں کیوں رکھا گیا ہے؟"

"محض اِس لیے کہ تُم لوگ سازش کر کے ایک آدمی کو اپنے گھر میں بند رکھنا چاہتے تھے۔"

فریدی نے کہا اور کوتوالی سے چل دیا۔ حمید کو حیرت تھی کہ آخر وہ اُسے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گیا۔ دس بجے حمید دفتر چلا گیا۔ وہاں بھی فریدی سے ملاقات نہ ہوئی۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ فریدی اب کیا کر رہا ہے۔

شہر کے سارے اخبارات میں سر بنتھال کے حیرت انگیز قتل کی داستانیں شائع ہوئی تھیں۔

بعض اخباروں نے رومال کا بھی حوالہ دیا تھا اور لکھا تھا کہ دلکشا ہوٹل سے لے کر

سر بنتھال تک جتنے بھی قتل ہوئے اُن کے پیچھے ایک منظّم سازش کام کر رہی تھی۔ پولیس دو افراد کی تلاش میں ہے۔ ایک جبّار اور دوسرا ایک غیر ملکی جس کا صحیح نام پولیس کو بھی نہیں معلوم ہو سکا۔ چند اخباروں نے محکمہ سُراغ رسانی پر بھی ہلکی پھُلکی چوٹیں کی تھیں۔ سپر نٹنڈنٹ صاحب کافی بشاش نظر آرہے تھے۔ انہوں نے ڈی آئی جی سے مشورہ کر کے یہ کیس دوسرے انسپکٹر کے سپرد کر دیا۔

حمید نے یہ چیز شدّت سے محسوس کی، مگر وہ خاموش رہا۔ کر ہی کیا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اسے سپر نٹنڈنٹ نے بُلوایا۔

"فریدی کہاں ہے؟" سپر نٹنڈنٹ نے پوچھا۔

"مُجھے علم نہیں۔"

"تم جانتے ہو۔"

"اب میں کس طرح عرض کروں۔"

"اس کیس کے چند ضروری کاغذات اس کے پاس ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ تفتیش ہی کے سلسلے میں کہیں گئے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"لیکن میں نے یہ کیس دوسروں کے سپرد کر دیا ہے۔"

"لیکن فریدی صاحب کو اس کا کیا علم۔۔۔!"

"اب ہو جائے گا علم۔" سپرنٹنڈنٹ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ "جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

تقریباً دو بجے فریدی آفس پہنچا۔ وہ ابھی بیٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ نے اسے اپنے کمرے میں طلب کر لیا۔

"اِس کیس کے کاغذات داخل کر دو۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"میں آپ سے کئی بار عرض کر چکا کہ۔۔۔"

"بس بس۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "میں ڈی آئی جی کے حکم کے مطابق ایسا کر رہا ہوں۔ یہ لو۔۔۔ اُن کی تحریر۔" سپرنٹنڈنٹ نے ایک کاغذ

فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

"اوہ۔۔۔!" فریدی اُسے پڑھ چکنے کے بعد سپرنٹنڈنٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

سپرنٹنڈنٹ طنزیہ انداز میں مُسکرا رہا تھا۔

"یہ لیجئے۔" فریدی نے کُچھ کاغذات جیب سے نکال کر میز پر ڈال دیے۔

سپرنٹنڈنٹ انہیں بغور دیکھنے لگا۔

فریدی جانے کے لیے اٹھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔ "اب تک تفتیش کی رپورٹ کہاں ہے؟"

"انہیں کاغذات میں ہے۔"

"یہ رپورٹس تو نہیں۔" سپرنٹنڈنٹ ایک کاغذ فریدی کی طرف بڑھا کر بولا۔ "مُختصر نوٹ ہیں۔"

"یہی میرا طریقہ کار ہے۔" فریدی لاپروائی سے بولا۔ "میں کسی کیس کو ختم

کرنے کے بعد ہی مکمّل رپورٹ لکھا کرتا ہوں۔"

"اب تک کی روئیداد لکھ دو۔" سپرنٹنڈنٹ بولا۔

فریدی نے اپنے لکھے ہوئے نوٹ والا کاغذ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ایک سادے کاغذ پر لکھنے لگا۔

"مکمّل رپورٹ یہ ہے کہ اِس کیس میں بُری طرح ناکامیاب رہا۔۔۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جسے پے در پے قتل کے واقعات سے کوئی نسبت دی جا سکے۔ مُجرم نے مُجھے اور سارجنٹ حمید کو تہہ خانہ میں بند کر دیا تھا۔۔۔ اِس سِلسِلے میں ایک مشکوک آدمی جبّار خان کی مُجھے تلاش تھی۔۔۔ اور مُجرم جس نے مُجھے تہہ خانہ میں بند کیا تھا، کوئی غیر ملکی معلوم ہوتا تھا۔"

فریدی نے رپورٹ لکھ کر سپرنٹنڈنٹ کی طرف بڑھا دی۔

"بس۔۔۔!" سپرنٹنڈنٹ نے طنز آمیز انداز میں اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی۔۔۔!"

”میں مفصّل رپورٹ چاہتا ہوں۔“

”میں نے سب کُچھ لکھ دیا ہے۔“

”تفصیل نہیں ہے۔“

”اور زیادہ کاغذ خراب کرنے سے کیا فائدہ؟“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کہیے تو یہ بھی لکھ دوں کہ اِس تفتیش کے دوران مُجھے دوبار زکام ہوا۔۔۔ ایک دِن کھانا نہیں کھایا۔۔۔ ایک بار دِن بھر کھانستا رہا۔“

”اوہ۔۔۔!“ سپرنٹنڈنٹ میز پر پیپر ویٹ پٹخ کر چیخا۔ ”میں بد تمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تو یہ میرا استعفیٰ حاضر ہے۔“ فریدی نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکال کر میز پر ڈال دیا اور مُسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

”حمید۔۔۔!“ وہ حمید کی میز کے قریب جا کر بولا۔ ”اپنا استعفیٰ لکھو۔“

”ارے کیوں۔۔۔؟“حمید اُچھل کر بولا۔

”ہم اب اِس محکمے میں کام نہیں کریں گے۔“

”پھر۔۔۔!“

”پرانے کوٹوں کی تجارت کریں گے۔“فریدی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

دفتر کے لوگ اُس کے گرد اکٹھے ہو گئے مگر وہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا رہا۔

حمید کی اُلجھن

حمید اُلجھن میں مُبتلا ہو گیا۔ لیکن فریدی کے مجبور کرنے پر اُسے استعفیٰ لکھنا ہی پڑا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اس وقت وجہ نہ بتا سکے گا اور جب وہ استعفیٰ لے کر سپرنٹنڈنٹ کے کمرے میں گیا تو اس نے دیکھا کہ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا بُری طرح ہانپ رہا ہے۔

"کیا ہے؟" اس نے گرج کر پوچھا۔

"استعفیٰ۔۔۔!" حمید نے کاغذ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"گٹ آؤٹ۔۔۔!" وہ حلق کے بل چیخا۔

حمید چُپ چاپ کمرے سے نکل آیا۔

دفتر کے سب لوگ متحیّر تھے کہ معاملہ کیا ہے۔ انسپکٹر جو فریدی سے حسد رکھتے تھے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مُسکرا رہے تھے۔

فریدی اور حمید وہاں سے روانہ ہو گئے۔ راستے میں حمید نے پوچھا۔

"آخر آپ نے کیا کیا۔۔۔؟"

"چُپ رہو۔۔۔!" فریدی بگڑ کر بولا۔ "جو میں نے مناسب سمجھا کیا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔

"دیکھو برخوردار۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "یہ دنیا سرائے فانی ہے۔"

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں اب ان لغویات سے تنگ آ گیا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "کُچھ آرام بھی کرنا

چاہئے۔ بسر اوقات کے لیے پھٹے پرانے کوٹوں کی تجارت کافی معقول رہے گی۔"

"میں۔۔۔میں۔۔۔!" حمید کُچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بکریوں کی تجارت کرنا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا اور کار دلکشا ہوٹل کے سامنے کھڑی کر دی۔

"آؤ کافی پئیں گے۔" فریدی نے کار سے اُترتے ہوئے کہا۔

حمید بُری طرح جھلّایا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی جھلّاہٹ کا اظہار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے سوچا کہ کہیں فریدی یہ نہ سمجھے کہ اس نے اسے استعفیٰ دینے پر مجبور کر کے بور کر دیا ہے۔ حمید کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ اس نے استعفیٰ دے دیا بلکہ اُلجھن اس بات کی تھی کہ آخر استعفیٰ دیا کیوں گیا وہ اس کی وجہ جاننا چاہتا تھا۔ مگر فریدی کے رویّے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس مسئلہ پر روشنی نہ ڈالے گا۔۔۔ آخر۔۔۔ کیوں۔۔۔؟

دونوں نے ہوٹل میں کافی پی۔ کُچھ پیسٹریاں کھائیں اور دیر تک بیٹھے ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ حمید نے بھی تھوڑی دیر بعد یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا جیسے آج کوئی اہم بات ہوئی ہی نہ ہو۔

"آج میں نے ایک ہاتھی کو دیکھا جو ایک بوتل میں گھُسنے کی کوشش کر رہا تھا۔" حمید دفعتاً بولا۔

"اچھّا تُم نے بھی دیکھا تھا؟" فریدی سنجیدگی سے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں۔"

"اگر مہاوت کود کر الگ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ بے چارہ بھی بوتل میں پہنچ جاتا۔" حمید نے کہا۔

"اچھّا۔" فریدی نے اپنے چہرے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھیں بین الاقوامی سیاست پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔"

"شاید قطب شمالی میں ہندو مسلم اتحّاد ہو جائے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

فریدی اُسے آنکھ مار کر مُسکرایا اور حمید نے کسی عصمت مآب عورت کی طرح شرما کر سر جھکالیا۔۔۔

دونوں کافی دیر بیٹھے بے سروپا باتیں کرتے رہے۔

گھر پہنچ کر حمید اپنا سامان اکٹھا کرنے لگا۔

"کیوں بھئی یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔؟" فریدی نے پوچھا۔

"گھر جارہا ہوں۔ جو کچھ پس انداز کیا ہے اس سے چند بھینسیں خرید کر دودھ کا کاروبار کروں گا۔"

"چہ چہ۔۔۔ تمہارے یہ نرم ونازک ہاتھ بھینسوں کا گوبر نہ صاف کر سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "مُجھے ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت ہو گئی۔"

"کتنی تنخواہ دیں گے آپ۔۔۔؟"

"سب کُچھ تمہارا ہے پیارے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "میں واقعی سنجیدہ ہوں۔۔۔

میں نے دُنیا کی سیاحت کا پروگرام بنایا ہے ایسی صورت میں مُجھے ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت ہو گی۔"

حمید چونک کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔۔۔ سب سے پہلے ہم مِصر چلیں گے۔" فریدی اِدھر اُدھر دیکھ کر آہستہ سے بولا۔

"اوہ۔۔۔ تو یہ کہیے۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کس طرح؟"

"بحری راستے سے۔"

"لیکن اگر وہ ہوائی جہاز سے چلا گیا تو؟"

"وہ اتنا احمق نہیں ہے۔"

"کیوں اس میں حماقت کی کیا بات ہے؟ ممکن ہے وہ یہاں سے جائے ہی نہیں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اب میں نے اس کا خیال ہی چھوڑ دیا ہے۔"

”پھر۔۔۔؟“

”مُجھے یہ دیکھنا ہے کہ علی فضیل کی موت کن حالات میں ہوئی تھی۔“

”لیکن علی فضیل کے متعلّق بھی آپ کو اُسی سے معلوم ہوا تھا۔“ حمید نے کہا۔
”کون جانے اُس نے یہ بات غَلَط کہی ہو۔“

”نہیں مُجھے اس میں شُبہ نہیں۔ حسینہ علی فضیل ہی کی لڑکی تھی۔ آج ہی مصر سے میرے تار کا جواب آیا ہے اور اسی سے معلوم ہوا ہے کہ علی فضیل کے ایک لڑکا تھا، جو اُس کے قتل کے کُچھ ہی دِن بعد قتل کر دیا گیا تھا۔“

”تو پھر استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی؟“

”مصلحت۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”مجرم خطرناک ہے۔ آسانی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔“

”تو کیا سپرنٹنڈنٹ سے آپ کی لڑائی محض دکھاوا تھی؟“

"وہ بے چارہ تو یہی سمجھا ہے کہ وہ سو فیصدی حقیقت ہے۔"

"بہر حال اب تو آپ استعفیٰ دے ہی چکے۔" حمید بولا۔

"اس میں کسی شُبہے کی گنجائش نہیں۔" فریدی نے کہا۔

"تو پھر اب آپ یہ سب درد سری کیوں مول لے رہے ہیں؟"

فریدی جواب دینے ہی والا تھا کہ نوکر ایک کارڈ لے کر اندر آیا۔

"اوہ۔۔۔!" فریدی کارڈ دیکھ کر بولا۔ "بھیج دو۔"

تھوڑی دیر بعد ایک وجیہہ آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ اُس کے سنہرے ملائم اور خشک بال پیشانی پر اڑ رہے تھے۔ لباس اس نے اچھّا پہن رکھا تھا۔ لیکن اس کی بے ترتیبی سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ حد درجہ لاپرواہ واقع ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر ایک قسم کی مُسکراہٹ تھی۔ ایسی مُسکراہٹ جسے زہرِ خند ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حمید نے اُسے دیکھ کر نفرت سے منہ سکوڑ لیا۔ اس کے بر خلاف فریدی کے لہجے میں تپاک تھا۔

”آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ انور۔۔۔ مُجھے توقع تھی کہ تم ضرور آؤ گے۔“

انور ہنس کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

”غالباً تم استعفیٰ دینے کی وجہ پوچھنے آئے ہو؟“

”اور آپ صحیح وجہ کبھی نہ بتائیں گے۔“ انور ہنس کر بولا۔ ”لیکن تم اس طرح بھی صحیح وجہ نہ معلوم کر سکو گے۔“

انور ہنسنے لگا۔

”بہر حال تم ٹھیک موقع پر آئے۔“ فریدی بولا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اخبار میں میری ناکامی کی ایک لمبی چوڑی داستان چھاپ دو۔“

”بس بس میں سمجھ گیا۔“ انور نے کہا۔

”اسی لیے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔“ فریدی بولا۔

”مگر ایک چیز۔۔۔!“ انور بولا۔ ”یہ جبّار کہاں سے آکودا؟“

فریدی نے جبّار والا واقعہ بھی اُسے بتا دیا۔

"اِس کیس کے متعلّق میں نے پوری داستان خود ہی مکمّل کی ہے۔"

انور جیب سے کُچھ تہہ کیے ہوئے کاغذات نکال کر بولا۔ "آپ دیکھیے کہ میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔"

فریدی کاغذات کو پڑھتا رہا۔ درمیان درمیان وہ سر اٹھا کر حیرت زدہ نظروں سے انور کی طرف دیکھ لیتا تھا۔

"واقعی تم ایک کامیاب کرائم رپورٹر ہو۔" فریدی نے کہا۔ "اِس میں بعض جگہ تُم نے محض قیاس سے کام لینے کی کوشش کی ہے۔ خیر میں ٹھیک کیے دیتا ہوں۔"

فریدی ایک سادے کاغذ پر کُچھ لکھنے کہ میری رپورٹ میں کُچھ بھی نہیں تھا۔ تو آپ کو اُسی غیر ملکی مجرم نے تہہ خانے میں بند کیا تھا؟"

"ہاں۔۔۔!"

”اس کے متعلّق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”چھلّاوہ ہے۔“ فریدی بولا۔ ”اِس قسم کے کردار صرف جاسوسی ناولوں ہی میں نظر آیا کرتے تھے۔“

”اور آپ کیا فرماتے رہے ہیں؟“ انور نے طنزیہ انداز میں مُسکرا کر حمید کی طرف اشارہ کیا۔ ”دیکھو تم مُجھ سے نہ اُلجھنا۔۔۔ورنہ۔۔۔!“

”ورنہ آپ رودیں گے۔“ انور نے جملہ پورا کر دیا۔

فریدی ہنسنے لگا۔

”خیر خیر اگر کبھی میری گرفت میں آ گئے تو بوٹیاں اڑا دوں گا۔“ حمید جھلّا کر بولا۔

”تم پر ہی کیا منحصر ہے۔“ انور ہنس کر بولا۔ ”اِس شہر کی پولیس کے سارے ناکارہ آفیسر مُجھے اِس قسم کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ لیکن آج تک کوئی میرا کُچھ نہ بگاڑ سکا۔“

"چھوڑو۔۔۔ چھوڑو۔۔۔ اِن فضول باتوں کو۔" فریدی اُکتا کر بولا۔ "کام کی بات کرو۔ دیکھو اپنے مضمون میں میری جتنی بھی توہین مُمکن ہو اس سے باز نہ آنا۔"

"یہ مُجھ سے نہ ہو سکے گا۔" انور جلدی سے بولا۔ "میرے دل میں آپ کیلئے بڑا احترام ہے۔"

"لیکن یہ تم میری اجازت سے کروگے۔" فریدی نے مُسکرا کر آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "یہ ایک واقعی ضرورت ہے۔"

"خیر جیسا آپ کہیں۔" انور نے کہا۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرتے رہنے کے بعد انور چلا گیا۔

"آخر آپ نے اِسے اِس قدر منہ کیوں لگا رکھا ہے؟" حمید جھلّا کر بولا۔

"بہت کام کا آدمی ہے۔" فریدی نے کہا۔ "بلا کا ذہین ہے۔ اُسے ایک بہترین جاسوس بنانے کے لیے تھوڑی سی ٹریننگ کافی ہو گی۔"

"میں اسے اچھّا نہیں سمجھتا۔" حمید نے کہا۔

"کیا اس لیے کہ وہ پولیس والوں سے اپنا حق وصول کرتا ہے؟" فریدی نے کہا۔

"کسی نہ کسی دِن گردن نپ جائے گی۔" حمید نے کہا۔

"اور مُشکل یہی ہے۔ یہاں کے سارے آفیسروں کی دُکھتی ہوئی رگوں پر اس کا ہاتھ ہے۔۔۔ شاید ہی کوئی اُسے چھیڑنے کی ہمّت کر سکے۔"

"مُجھے اُس نے کبھی چیلنج نہیں کیا۔ ورنہ میں مزا چکھا دیتا۔" حمید نے کہا۔

"خیر خیر چھوڑو بھی کہاں کی باتیں نکال بیٹھے۔" فریدی نے کہا۔ "وہ تمہیں چھیڑنے ہی کیوں لگا۔"

"کیا آپ نے اُس وقت اس کا انداز نہیں دیکھا۔" حمید نے کہا۔

"بھئی وہ ہے ہی اِس قسم کا۔۔۔ بڑی زہریلی باتیں کرتا ہے۔۔۔ میں اِس کی پچھلی زندگی سے واقف ہوں۔۔۔ اُسے بہت ستایا گیا ہے۔ تم نہیں جانتے جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ جاتا ہے تو اُس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔"

”خیر چھوڑیے۔“حمید اُکتا کر بولا۔”ہمارا دوسرا قدم۔۔۔!“

”حالات پر منحصر ہو گا۔“ فریدی نے کہا اور سِگار سُلگا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ شام تک فریدی کے گھر پر اچھّا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا۔۔۔اس میں سرکاری اور غیر سرکاری ہر قسم کے لوگ تھے۔ وہ فریدی کے استعفیٰ دینے کی معقول وجہ جاننا چاہتے تھے۔۔۔ فریدی انہیں ٹالنا چاہتا تھا۔ مگر بہتیرے لوگ جو اس سے بے تکلّف تھے کسی طرح ٹلنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ آخر حمید کو بولنا پڑا۔

”بات دراصل یہ ہے کہ فریدی صاحب کو اپنے سپرنٹنڈنٹ کا رویہ ناپسند تھا۔ وہ کسی قسم کی دھونس سہنے کے عادی نہیں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ فریدی صاحب اس محکمہ میں محض شوق کی بناء پر آئے تھے۔ پہلے انہوں نے بہت چاہا کہ کسی طرح سپرنٹنڈنٹ صاحب سے مصالحت ہو جائے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ آخر کار انہیں استعفیٰ ہی دینا پڑا۔۔۔ اور میں نے کیوں استعفیٰ دیا یہ ایک دُکھ بھری داستان ہے۔“

”کیوں تُم نے کیوں استعفیٰ دیا؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”میں اب شادی کرنا چاہتا تھا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”تو اس سے استعفیٰ دینے سے کیا مطلب؟“ جگدیش نے پوچھا۔

”میری منگیتر ملازمت کو بُرا سمجھتی ہے۔“ حمید بولا۔ ”وہ چاہتی ہے کہ میں دُودھ کی تجارت کروں۔“

”تو کیا وہ دودھ والی ہے؟“ ایک صاحب نے پوچھا۔

”جی نہیں میرے بچّوں کو دودھ پلانے والی ہے۔“

اِس پر قہقہہ پڑا۔۔۔۔ اور حمید انگوٹھا چوسنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد یہ مجمع بھی برخواست ہو گیا۔

”اب کیا کرنا چاہئے؟“ حمید نے کہا۔

”تم آخر اس طرح اُلجھ کیوں رہے ہو؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کمال کیا آپ نے۔“ حمید جھلّا کر بولا۔ ”اُلجھن کی بات ہی ہے۔“

”قطعی اُلجھن کی بات نہیں۔“ فریدی نے کہا اور اُٹھ کر ٹہلنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور فریدی کسی سے گُفتگُو کرنے لگا۔ تقریباً دس بجے رات تک تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد فریدی نامعلوم اشخاص کو فون کرتا رہا۔ حمید نے کُچھ پوچھنا چاہا لیکن فریدی کے رویّے نے اُسے باز رکھا۔ وہ اس کی سرشت سے اچھّی طرح واقف تھا۔

جب وہ کُچھ بتانا چاہتا تو خود ہی اُگل دیتا۔ ویسے لاکھ سر پٹخیئے دیواریں بول سکتیں تھیں لیکن فریدی نہیں۔ وہ ساری رات حمید نے اُلجھنوں میں گذاری۔ بظاہر وہ سارا دِن ہنستا رہا تھا لیکن اس کا ذہن نہ جانے کتنی جھلّاہٹوں کا شکار تھا۔ سُراغ رسانی کا یہ طریقہ کم از کم اُس کے لیے بالکل نیا تھا۔ بھلا اِس میں استعفیٰ دینے کی کیا ضرورت تھی؟

دوسرے دِن وہ دِن بھر گھر ہی پر رہا اور فریدی نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرا۔

گھر واپس آ کر اُس نے کوئی معقول بات نہیں کی۔ حمید کے کسی سوال کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی شدید قسم کے ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو اور بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا کہ وہ بالکل خالی الذّہن ہے۔۔۔ دو دِن اِسی طرح گزر گئے۔ اِس دوران میں اگر کوئی ملنے کے لیے آ جاتا تو اس سے کہلوا دیتا کہ فریدی گھر پر موجود نہیں ہے۔ حمید سب کُچھ دیکھ رہا تھا اور اُلجھ رہا تھا۔ فریدی کا موڈ اتنا خراب تھا کہ کُچھ پوچھنے کی ہمّت ہی نہیں پڑتی تھی۔ آخر حمید تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ رہا اور اس کے علاوہ چارہ ہی کیا تھا۔

چرمی ہینڈ بیگ

اچانک ایک رات فریدی نے سامان اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چار پانچ بڑے بڑے سوٹ کیسوں میں کپڑے رکھے گئے۔ اس میں حمید کے بھی کپڑے شامل تھے۔ نئے نئے ہولڈال نکالے گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہتیرا قیمتی سامان اُس پر رکھا گیا اور گاڑی چلی گئی۔ حمید نے کُچھ پوچھنا چاہا لیکن جواب ندارد۔

تقریباً ایک بجے رات کو کسی نے حمید کو جگایا اور حمید اتنی رات گئے اپنے کمرے میں ایک غیر ملکی اجنبی کو دیکھ کر بھونچکارہ گیا۔

”ڈرو نہیں میں پروفیسر لاسلکی ہوں۔“ اس نے کہا اور حمید اس کی آواز پہچان گیا۔

”اُف میں کیا کروں۔“ حمید اپنے زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

”جلدی کرو! تمہارے میک اپ میں بھی تقریباً ایک گھنٹہ لگے گا۔“

”مگر۔۔۔ پھر کیا ہو گا؟“

”تمہارا سر!“ فریدی جھلّا کر بولا۔ ”تم پروفیسر لاسلکی کے اسسٹنٹ بنو گے۔“

”اور اس کے بعد؟“

”تمہاری پوجا کی جائے گی۔ آرتی اُتاری جائے گی۔ پھول چڑھائے جائیں گے۔“ فریدی ہونٹ بھینچ کر بولا۔ حمید ناک بھوں سکیڑ کر اٹھا۔ اور تھوڑی دیر بعد اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں۔ فریدی اس کے رخساروں کو بُری طرح کھُرچ رہا تھا۔

”عجیب نکمّے آدمی ہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میں ذرا خوبصورت قسم کا میک

اپ کرنا چاہتا ہوں اور تم مرے جا رہے ہو۔ تمہیں شاید نہیں معلوم کہ میرے گالوں سے تقریباً ایک چھٹانک خون نکل چکا ہے۔"

حمید خاموش ہو گیا اور جب وہ آئینے کے سامنے گیا تو اپنی صورت دیکھ کر جھجک پڑا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کا انگریز معلوم ہو رہا تھا۔

"لیکن تم انگریز نہیں ہو۔" فریدی نے کہا۔

"جنوبی امریکہ کے باشندے ہو۔۔۔ ریوڈی جنیرو کے رہنے والے۔"

"نہیں میں ریوڈی ڈان کیچاٹ کیہاٹ کا رہنے والا ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور آپ پروفیسر ہیر الڈ لاس کی۔"

"ایسی حماقت نہ کرنا۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "رابرٹ لاسکی۔"

"اور حضور کا پیشہ؟" حمید نے آہستہ سے پوچھا۔

"ایک ایسا ریڈیو سیٹ ایجاد کرنے کا چکّر جس میں مریخ کے باشندوں کی آوازیں

سُنی جا سکیں۔" فریدی بولا۔ "کن بلنگر۔۔۔!"

"حضور کوئی سیدھا سا۔۔۔ میں خود یہ نام بھول جاؤں گا۔"

"مکلارنس۔۔۔!" فریدی کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

"زبان کونسی بولنی پڑے گی؟"

"انگریزی۔۔۔!"

"لہجہ کہاں سے لاؤں گا؟"

"ہکلا کر بولنا۔" فریدی نے کہا۔ "اور پھر تمہیں زیادہ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"لیکن ایک دوسری دشواری۔" حمید کُچھ سوچتا ہوا بولا۔

"کیا۔۔۔!"

"میں سوتے وقت اُردُو میں بڑبڑانے کا عادی ہوں۔"

”اور میں ایسے موقعوں پر تمہارا گلا گھونٹ دینے کے امکانات پر غور کرنے لگتا ہوں۔“

فریدی جھلّا کر بولا۔

”چلنا کہاں ہو گا۔“

”کہاں؟“

”جہنّم میں۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر چلیے دروازے تک آپ کو پہنچا کر لوٹ آؤں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہمارا جہاز۔۔۔! صُبح آٹھ بجے روانہ ہو جائے گا۔“ فریدی تھوڑی دیر بعد بولا۔

”جہاز۔۔۔!“ حمید اچھل کر بولا۔

”ہاں ہم مِصر جا رہے ہیں۔“

"اور آپ نے اب بتایا ہے۔" حمید جھلّا کر بولا۔

"کیوں کیا شہر بھر سے گلے مل کر رخصت ہونے کا ارادہ تھا۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔

"مگر یہ بھی۔۔۔ کوئی۔۔۔!"

"بکو مت۔۔۔!"

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ پاسپورٹ وغیرہ؟"

"اس کا میں انتظام کر چکا ہوں۔"

"کہاں سے انتظام کر لیا ہے۔۔۔ پاسپورٹ پر تصویریں بھی تو لگائی جاتی ہیں۔"

"کیا یہ مکلارنس کی تصویر نہیں ہے؟" فریدی نے جیب سے ایک تصویر نکال کر میز پر ڈال دی۔

حمید نے تصویر اُٹھالی اور آئینے کے قریب جا کر اُس سے اپنے خدوخال کا موازنہ

کرنے لگا۔

"آپ بھی بس معجزے دکھایا کرتے ہیں۔" حمید نے پلٹ کر کہا۔۔۔ لیکن فریدی کمرے میں نہیں تھا۔

حمید ایک کرسی پر بیٹھ کر پائپ سلگانے لگا۔

اتنے میں فریدی اندر آیا۔

"سنو! ہمارے مکان کی نگرانی ہو رہی ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن کس کی طرف سے؟"

"یہ میں نہیں جانتا۔" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "ممکن ہے کوئی سرکاری جاسوس ہو۔"

"سرکاری جاسوس۔۔۔!" حمید نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔ ہمارے سپرنٹنڈنٹ سے کچھ بعید نہیں۔" فریدی بولا۔ "اتنا احمق

آدمی میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تو پھر اب کیا کیجئے گا؟"

"میں نے ابھی پھاٹک کے سامنے ایک آدمی دیکھا ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کیوں نہ ہم کسی کُتّے کو اس کے پیچھے لگادیں؟" حمید نے کہا۔

"میں یہ نہیں چاہتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "سپرنٹنڈنٹ کی یہ حرکت ہمارے حق میں بُری نہیں اور پھر مُمکن ہے کہ وہ مجرموں ہی کا آدمی ہو۔"

"پھر کس طرح باہر چلیئے گا؟" حمید بولا۔

"بتاتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے نوکروں کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے متعلّق کسی کو کوئی تشفی بخش جواب نہ دیں۔"

"اس سے فائدہ؟"

"اس سے یہ فائدہ ہے کہ مجرم ہمارے متعلّق کسی خاص سمت میں گھوڑے نہ دوڑا سکیں گے۔" فریدی نے کہا۔ "اچھا آؤ جلدی کرو۔ ہم باغ کے پشت والی بد رَو

کے ذریعے باہر نکلیں گے۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یہ مُجھ سے نہ ہو گا۔"

"ہو گا کیسے نہیں۔۔۔" فریدی نے حمید کی گردن پکڑ کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں باغ کی دیوار کی ڈیڑھ فٹ اونچی بدرَو سے باہر نکل رہے تھے۔ جیسے ہی فریدی نے باہر سر نکالا ایک سایہ سامنے سے ہٹ کر دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔

"میں پہچان گیا۔۔۔!" فریدی نے باہر نکل کر کہا۔ "چھپنے کی ضرورت نہیں۔"

حمید بھی باہر نکل آیا۔۔۔ فریدی ایک آدمی کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔۔۔ حمید نے ریوالور نکال لیا۔ چند لمحوں میں فریدی نے اُسے جالیا۔

"انور تم اتنے چالاک نہیں ہو کہ مُجھے دھوکا دے سکو۔" فریدی نے بھاگنے والے کو روک کر کہا۔

”آپ نے اندھیرے میں مُجھے کیسے پہچان لیا؟“ انور بولا۔

”پہچان لیا کسی طرح۔“ فریدی نے کہا۔ ”پھاٹک کی طرف کون ہے؟“

”کوئی ہے۔۔۔ میں نہیں جانتا۔ میں سمجھتا تھا کہ اس کی موجودگی میں آپ یہی راستہ اختیار کریں گے۔“ انور نے کہا۔

”خیر یاد رکھو کہ اس کے متعلّق اگر تمہارے اخبار میں ایک لفظ بھی چھپا تو اچھا نہ ہو گا۔“ فریدی نے کہا۔

”یہ میں اخبار کے لیے نہیں بلکہ اپنی معلومات کے لیے کر رہا ہوں۔“ انور نے کہا۔

”خیر۔۔۔ مگر مُجھ سے یہ مت پوچھنا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔“ فریدی بولا۔

”میں جانتا ہوں۔“ انور نے کہا۔

”جو کُچھ بھی جانتے ہو اپنے ہی تک محدود رکھنا۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور اگر ہو سکے

تو میری عدم موجودگی میں اپنے اخبار کے ذریعہ مجرموں کو غَلَط راستے پر لگانے کی کوشش کرنا۔"

"اور اس کی قیمت۔۔۔؟"

"واپسی پر ادا کروں گا۔" فریدی نے کہا۔

"بہت اچھا۔۔۔ گُڈ نائٹ۔" انور نے فلٹ ہیٹ کا گوشہ چہرے پر جھُکایا اور تھوڑی دور جا کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

"کہیں یہ کم بخت گڑبڑ نہ کرے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتا۔" فریدی نے کہا اور چلنے لگا۔

چاروں طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سردی ہڈیوں میں گھستی محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں نے اوورکوٹ کے کالر کھڑے کر لیے، فِلٹ ہیٹوں کے گوشے چہروں پر جھکا لیے۔ سُنسان سڑک پر اُن کے قدموں کی آواز دور تک پھیلتی معلوم ہو رہی تھی۔ دونوں اس وقت بندر گاہ پر پہنچے جب جہاز کی روانگی میں

صرف پندرہ منٹ رہ گئے تھے۔ انہیں اپنے کیبن تلاش کرنے میں زیادہ دقت نہ ہوئی۔ سامان پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ بہر حال حمید کی اچھّی خاصی شامت تھی۔ اُسے یہ بات ہر وقت ذہن میں رکھنی پڑتی تھی کہ وہ جنوبی امریکہ کا باشندہ ہے اور اس کی مادری زبان انگریزی ہے۔

دوران سفر فریدی اپنا زیادہ تر وقت عرشے پر یا ریستوران میں گزارتا تھا۔ اکثر وہ خیالی شراب پی کر بے تکی حرکتیں بھی کر بیٹھتا تھا۔ اس نے یہاں کئی دوست پیدا کر لیے تھے جن میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ حمید محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک بُوڑھے انگریز تاجر کی طرف زیادہ جھک رہا ہے۔ اکثر رات کو وہ اس کے کیبن میں جھانکا بھی کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ کافی رات گئے تک اس سے غپ لڑاتا رہتا۔ وہ بُوڑھا بھی بڑا دلچسپ خصوصاً نشے کی حالت میں تو وہ بجائے خود ایک اچھا خاصا مضحکہ بن کر رہ جاتا۔ لڑکیاں اُس میں کافی دلچسپی لیتی تھیں۔ اُس بُوڑھے کے کیبن سے ملا ہوا ایک دوسرا کیبن تھا جس میں ایک اُدھیڑ عمر کا سنجیدہ انگریز تھا۔ وہ ریستوران میں بہت کم بیٹھتا تھا۔ اکثر عرشے پر ہی دِکھائی دیتا تھا۔

لیکن کِسی کے ساتھ نہیں۔ یا تو وہ سمندر کی لہروں پر اڑتے ہوئے سفید جھاگ کی طرف تاکتا رہتا تھا یا پھر اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب ہوتی تھی۔ دو ایک بار فریدی کو اُس سے گفتگو کرنے کا اتّفاق ہوا تھا لیکن وہ موسم کی کیفیّت سے آگے نہیں بڑھی تھی۔۔۔ حمید اُسے مشکوک نظروں سے دیکھتا تھا۔ سب سے زیادہ اُلجھن کا باعث اُس کا چرمی ہینڈ بیگ تھا۔ جسے وہ ہر وقت بغل میں دبائے رہتا تھا اور حمید کو اس کی آنکھوں کی نرماہٹ کے پیچھے چھپی ہوئی درندگی صاف نظر آنے لگتی تھی۔ ایک دِن حمید نے فریدی سے اُس کے متعلّق پوچھا کہ وہ کون ہے۔

"کولمبیا یونیورسٹی کا ایک پروفیسر۔۔۔!" فریدی نے جواب دیا اور پھر تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"تم نے خصوصیت سے اُسی کے متعلّق کیوں پوچھا۔۔۔ اور غالباً اب تُم مُجھ سے اُس کے چرمی ہینڈ بیگ کے متعلّق پوچھو گے۔"

حمید حیرت سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"جو چیز تمہیں شُبہے میں ڈال سکتی ہے۔ وہی مُجھے بھی۔" فریدی نے سگار کا کش لے کر دھواں چھوڑتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اُس بُوڑھے انگریز میں کیوں دِلچسپی لے رہے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"محض تمہارے لیے۔"

"میرے لیے کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ اس میں کُچھ نوجوان لڑکیاں بھی دلچسپی لیتی ہیں۔"

"ٹھیک فرمایا آپ نے۔" حمید جل کر بولا۔ "آپ مُجھے اِس قابل رہنے ہی کب دیتے ہیں۔ کبھی گونگا بنادیا اور کبھی ہکلا۔"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے لیے یہی بہتر ہوتا ہے ورنہ تم سارا بھانڈا پھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔
اُسی رات کو فریدی حمید اور وہ بُوڑھا انگریز ریستوران میں بیٹھے برج کھیل رہے

تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر قریب ہی کی ایک میز پر بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ اُس کے سامنے ایک کاغذ پڑا تھا۔ جسے وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ہاتھ میں اُٹھا کر دیکھنے لگتا تھا۔

"مسٹر مارٹن۔۔۔!" وہ بُوڑھے انگریز کو مخاطب کر کے بولا۔ "ایک دِلچسپ خبر ہے۔۔۔ کیوں پروفیسر۔۔۔!"

فریدی سر ہلانے لگا۔

"اگر تمہارے ریڈیو سیٹ میں کُچھ عجیب و غریب اشارے پیدا ہونے لگیں تو تُم اُسے کیا کہو گے۔" کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا۔

"ہمبگ۔۔۔!" بُوڑھے نے پتّہ پھینک کر فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔۔۔!" فریدی چونک کر بولا۔ "ریڈیو سیٹ پر عجیب و غریب اشارے۔۔۔ کیا مطلب؟"

"میرے ایک دوست نے اِطّلاع دی ہے۔" کولمبیا والے پروفیسر نے کہا اور

رُک کر کُچھ سوچنے لگا۔

فریدی بے چینی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”کُچھ کہو بھی پروفیسر۔۔۔ تُم نے مُجھے اُلجھن میں ڈال دیا ہے۔“ فریدی مُضطربانہ انداز میں بولا۔

”کیا تمہیں اِس قسم کی چیزوں سے دلچسپی ہے؟“ اُس نے پوچھا۔

”پروفیسر فضول وقت مت برباد کرو۔“ بُوڑھا جھلّا کر بولا۔ ”یہ خود بھی ایک نئے قسم کا ریڈیو ایجاد کرنے کی فکر میں ہے۔“

”اوہ۔۔۔ اچھّا۔۔۔ تو تُم اِس کے متعلّق زیادہ بہتر بتا سکو گے۔“

پروفیسر نے کہا۔ ”سُنو۔۔۔ میرا ایک دوست ریڈیو میں کُچھ نئے تجربے کر رہا ہے۔ اچانک کل اسے اپنی بنائی ہوئی مشین پر کُچھ عجیب قسم کے اشارے موصول ہوئے ہیں۔ اُس کا خیال ہے کہ وہ اشارے مریخ سے آرہے ہیں۔“

”اوہ سچ۔۔۔!“ پروفیسر بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ ”میں سمجھا تھا شاید کوئی خاص بات ہو گی۔“

”خاص بات۔۔۔!“ پروفیسر نے حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ کوئی خاص بات ہی نہیں۔“

”بالکل نہیں۔۔۔!“ فریدی نے پتّہ پھینکتے ہوئے لاپروائی سے کہا۔ ”کوئی تمہارے دوست کو بے وقوف بنا رہا ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔!“

”ارے جناب۔“ فریدی نے میز پر پتّے رکھ دیے اور پروفیسر کی طرف مُڑ کر بولا۔ ”میں نے اپنی عمر جھک مارنے میں نہیں گذاری۔“

”میں یہ نہیں کہہ رہا۔“ پروفیسر مُسکرا کر بولا۔

”کیا آپ کا دوست کسی اونچی جگہ رہتا ہے؟“

”ہاں وہ میکسیکو میں رہتا ہے۔“

”نہیں تو وہ کسی کی منتشر کی ہوئی ریڈیائی لہروں سے بے وقوف بن رہا ہے۔“

”لیکن اس کے بیان کے مطابق وہ لہریں اوپر کی ہیں۔“

”یقیناً اوپر کی ہوں گی۔“ فریدی مُسکرا کر بولا۔ ”اسے مطلع کر دو کہ ابھی نئے تجربوں کے چکّر میں نہ پڑے۔ وہ ابھی شاید کُچھ نہیں جانتا۔۔۔ اُس کی قیام گاہ سے تیس یا چالیس میل کی دوری پر اگر کوئی ناقابلِ انتشار اور مجوزہ سمت میں چلنے والی شعاعیں اوپر کی طرف پھینکے تو وہ اُس کے سیٹ پر پچھتّر ڈگری کے زاویے سے گِر سکتی ہیں اور وہ یہ سمجھ سکتا ہے کہ اُسے اوپر سے کوئی اشارہ موصول ہوا ہے۔ مریخ والے اتنے چُغد نہیں کہ اناڑیوں کو اشارے کیا کریں۔“

”اوہ۔۔۔!“ پروفیسر مُسکرا کر بولا۔ ”میں سائنس سے ناواقف ہوں۔۔۔ کیا تُم میرے لیے اپنی دلیل لکھ سکتے ہو؟“

”لکھو۔۔۔ میں بولتا ہوں۔“ فریدی نے پتّے سمیٹتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔۔۔ قلم۔۔۔ میں اپنا قلم بھول آیا ہوں۔“

”خیر کوئی بات نہیں۔ لو قلم یہ رہا۔“ فریدی نے اپنا فاؤنٹین پن اس کی طرف

بڑھا دیا۔

اس نے قلم لے کر اپنا چرمی ہینڈ بیگ کھولا اور اُس میں سے کاغذ نکالنے لگا۔ فریدی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے ایک گہری سانس لی اور پتّہ پھینک کر بُوڑھے مارٹن کی طرف دیکھنے لگا۔

فریدی بولتا رہا اور کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر لکھتا رہا۔

"شکریہ۔" اُس نے فریدی کا قلم واپس کیا۔

"کوئی بات نہیں۔" فریدی نے کہا اور کھیل میں مشغول ہو گیا۔

حمید حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تم دیکھتے کیا ہو؟" فریدی نے کہا۔ "دماغ ٹھنڈا رکھ کر کھیلو۔۔۔ کیا وہسکی نے تمہاری عقل ہی چوپٹ کر دی ہے؟"

"کک۔۔۔ کیم۔۔۔ کاف۔۔۔ کاف۔۔۔!" حمید ہکلایا۔

”شٹ اپ۔۔۔!“ فریدی چیخ کر بولا۔ ”چمگاڈر کی طرح۔۔۔چمگاڈر کہیں کے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔۔۔اُس کے چہرے پر بے بسی چھا گئی۔

”بوائے۔۔۔!“ بُوڑھا مارٹن چیخا۔ ”رَم لاؤ رَم۔۔۔!“

”میں رَم نہیں پیتا۔“ فریدی ہونٹ سکیڑ کر بولا۔

”تو پھر کیا پئیو گے؟“

”گدھی کا دودھ۔“ فریدی نے جھلّا کر کہا اور پتّے میز پر پٹخ دیے۔

”کیوں کیا اب نہیں کھیلو گے؟“

”نہیں۔۔۔!“

”سونا چاہتے ہو؟“

”نہیں۔“

”پھر کیا چاہتے ہو؟“

"ننھّی مُنّی پریاں۔۔۔ ساز کی لہروں پر لچکتی ہوئی رنگین مچھلیاں۔" فریدی اس کے چہرے کے سامنے انگلی نچا کر بولا۔

"اب چڑھ رہی ہے۔" بُوڑھا مارٹن قہقہہ لگا کر بولا۔

"سنو یار!" فریدی میز پر جھک کر آہستہ سے بولا۔ "کیا نام ہے اُس کا۔۔۔ نیلی فراک والی۔۔۔ کورنیا۔۔۔!"

"اوہ کورنیا۔۔۔ کتنا حسین نام ہے۔۔۔ کورنیا۔"

"کیوں؟ کیا بات ہے؟" مارٹن نے آنکھ مار کر مُسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کُچھ نہیں۔۔۔ کُچھ نہیں۔۔۔۔ ابھی تک تمہاری رَم نہیں آئی۔۔۔ میں مارٹینی پیوٗں گا۔"

بڑی رات گئے تک وہ تینوں ریستوران میں بیٹھے خوش گپیاں کرتے رہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر جا چکا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید بھی اپنے کیبنوں کی طرف لوٹے۔

راستے میں حمید نے کُچھ بولنا چاہا۔ فریدی نے اُسے چُپ کرا دیا۔

"خاموش رہو۔ کل بات کریں گے۔ پروفیسر میرا امتحان لے رہا تھا۔ اُسے ہم پر شُبہ ہو گیا ہے۔ وہ کم از کم آج رات بھر میرے پیچھے لگا رہے گا اور خُدارا تُم رات بھر سونا نہیں۔۔۔ اگر کہیں اُردُو میں بُڑبَڑانے لگے تو سب چوپٹ ہو جائے گا۔"

حمید ساری رات جاگتا رہا۔

دوسرے دِن صُبح ناشتے کے بعد وہ دونوں عرشے پر نکل آئے۔۔۔ یہاں کُچھ عجیب ہیجان برپا تھا۔ ایک کشتی کھو گئی تھی جس کی تلاش جاری تھی اور تھوڑی دیر بعد یہ اِطّلاع ملی کہ کولمبیا یونیورسٹی والا پروفیسر بھی غائب ہے۔

"وہ اپنا چرمی ہینڈ بیگ ضرور ساتھ لے گیا ہو گا۔" فریدی نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔!" حمید نے چونک کر کہا۔ "کیا وہ سچ مچ فرار ہو گیا؟"

"معلوم تو یہی ہوتا ہے۔" فریدی نے کہا۔ "اور اب مُجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا ہے۔۔۔ مگر افسوس وہ نکل گیا۔"

"صاف صاف کہیے۔" حمید اُلجھ کر بولا۔

"اس کا چرمی بیگ میرے پاس ہے۔" فریدی نے کہا۔

"ہو گا۔۔۔!" حمید نے غصّہ سے کہا اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا شاید تُم پوری داستان سُننا چاہتے ہو۔" فریدی نے کہا۔

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کل جب وہ اپنے ہینڈ بیگ سے کاغذ نکال رہا تھا تو میں نے اس میں ایک تہہ کیا ہوا سفید رومال دیکھا تھا اور ایک رومال میز پر پڑا تھا جس سے وہ اپنا منہ پونچھتا تھا۔۔۔ کیا سمجھے۔۔۔ رات وہ بار بار میرے کیبن میں جھانک رہا تھا۔ غالباً تمہاری طرف بھی گیا ہو گا۔ تُم شاید جاگ رہے تھے۔۔۔ ہاں تو مُجھے اُسی وقت سے فکر ہو گئی تھی کہ کسی طرح اس کا چرمی ہینڈ بیگ اُڑا لوں۔۔۔ میں نے ایک بار محسوس کیا کہ وہ میرے کیبن سے نکلا اور غسل خانے کی طرف چلا گیا۔۔۔ واپسی میں مَیں نے اُسے پھر اپنے کیبن کے پاس دیکھا۔ لیکن میں نے جان بوجھ کر سیٹی بجانی شروع

کر دی۔ جس کی آواز سُن کر وہ چھُپ گیا۔ میں کیبن میں لوٹ آیا۔ پھر مجُھے ایک تدبیر سوجھ گئی۔۔۔ میں نے ایک موم بتّی نکالی اور اُس طرف چلا گیا۔۔۔ وہ خالی پیپے جہاں رکھے ہیں۔۔۔ اُن پیپوں کے پیچھے جا کر میں نے موم بتّی روشن کی۔ وہ میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔۔۔ میری اِس حرکت پر اُس کا استعجاب ضرور بڑھ گیا ہو گا۔ موم بتّی میں نے وہیں رکھ دی۔۔۔ اور پیپوں کی آڑ لیتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔۔۔ میں نے دیکھا کہ وہ پیپوں کے انبار سے لگا بیٹھا دوسری طرف جھانکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اُس کی پیٹھ میری طرف تھی۔ میں وہاں سے سیدھا اُس کے کیبن میں پہنچا اور اُس کا ہینڈ بیگ اُڑا لیا۔۔۔ اور پھر اُسے سلیپنگ گاؤن کے نیچے چھپائے ہوئے پھر پیپوں کی طرف لوٹا۔۔۔ وہ ابھی تک اُسی حالت میں بیٹھا پیپوں کے پیچھے کا حال معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ میں نے موم بتّی بجھائی اور پیپوں کی آڑ سے نکل آیا۔۔۔ اپنے کیبن میں آکر میں نے ایک کتاب اُٹھا لی اور پھر میں بھی رات بھر جاگتا رہا۔"

"تو وہ رومال آپ کو مل گیا؟" حمید نے جلدی سے پوچھا۔ "کیسا ہے؟"

”معمولی جیسے سب ہوتے ہیں۔ ایک کونے پر حسینہ کا نام کڑھا ہوا ہے۔“

”لیکن وہ بھاگ کیوں گیا؟“ حمید نے پوچھا۔

حیرت انگیز انکشاف

"اس کے چرمی بیگ میں اُس کی ڈائری بھی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اس ڈائری سے اس کی شخصیت کا راز افشا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا راز تو مجُھے پہلے ہی سے معلوم تھا۔"

"وہ کون تھا؟" حمید نے بے ساختہ پوچھا۔

"سر بنتھال۔۔۔!" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔۔۔ حمید اُچھل پڑا۔

"کیوں مذاق کرتے ہیں؟" وہ ہنس کر بولا۔ "اُس کی لاش۔۔۔!"

"ہاں ہاں اُس کی لاش ملی تھی۔" فریدی نے کہا۔ "اور وہ لاش اُس کی نہیں بلکہ جبّار کی تھی۔ سر بنتھال بھلا اُسے کیوں زندہ چھوڑتا۔"

"جبّار بھلا سر بنتھال کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جیسے میں پروفیسر رابرٹ لاسلکی ہو سکتا ہوں۔۔۔ جیسے تُم مکلارنس ہو سکتے ہو۔۔۔ سر بنتھال جیسے فضیل ہو سکتا ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "کیا ایک لاش کا میک اپ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ میں نے لاش کو ڈی آئی جی کے سامنے دیکھا تھا اور اُسے یہ بھی نکتہ سمجھا دیا تھا۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ لاش والے کمرے میں ڈی آئی جی اور میں تنہا تھے؟ اُس وقت صحیح معنوں میں اس کیس کی اہمیّت سے آگاہ ہوا تھا اور پھر میں نے وہ پلاٹ بنایا جس سے سر بنتھال آسانی سے دھوکا کھا گیا۔ بہر حال کہنے کا یہ مطلب کہ میری اور تمہاری ملازمت بدستور برقرار ہے۔۔۔ البتّہ بے چارے سپرنٹنڈنٹ کو اس راز کے ظاہر ہوتے ہی بڑی کوفت ہو گی۔"

”تو آپ نے یہ مُجھے پہلے ہی کیوں نہیں بتا دیا تھا؟“ حمید نے کہا۔

”محض احتیاط کی خاطر۔“

”تو کیا آپ مُجھ پر اعتبار نہیں کرتے؟“

”یہ بات نہیں پیارے۔ تم اکثر نادانستگی میں غَلطیاں کر جاتے ہو۔ مثلاً کل ہی کو جب میں اُسے ریڈیو والا مسئلہ سمجھا رہا تھا تو تُم احمقوں کی طرح میری طرف تاک رہے تھے۔“

حمید خاموش ہو گیا۔

”سر بنتھال کی ڈائری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اس رومال کی اہمیت سے واقف نہیں ہے۔۔۔ اور وہ کسی کے لیے کام کر رہا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”بہر حال ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے۔“ حمید نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اُس جہاز میں اکیلا نہیں تھا۔ کیونکہ چلتے جہاز سے کشتی اُتارنا اور پھر اُس میں بیٹھ کر نکل جانا کسی اکیلے آدمی کے بس کا روگ نہیں۔“

"تمہارا خیال درست ہے۔" فریدی نے کہا۔

"بلکہ مُجھے تو اُسی میں شُبہ ہے کہ وہ جہاز سے چلا گیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔ "اور پھر ایسی صورت میں جب کہ بھیس بدلنے میں کافی مہارت رکھتا ہے۔ اس قسم کی توقّع رکھنی چاہیے۔"

"بہر حال ہمیں اب اور زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے کل رات ہی کو ویسا ایک دوسرا رومال تیّار کر لیا ہے اور وہ اس وقت اس ہینڈ بیگ میں موجود ہے اور ہینڈ بیگ کیبن میں ہے۔۔۔ اور ہم کسی نئی واردات کے منتظر۔"

"کیا مطلب۔۔۔!" حمید چونک کر بولا۔

"کُچھ نہیں۔ فی الحال کُچھ کہا نہیں جا سکتا۔" اور پھر دونوں ریستوران کی طرف گئے۔

جہاز سمندر کا متلاطم سینہ چیرتا ہچکولے لیتا اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ سورج کی کرنیں چاروں طرف پھیلی ہوئی لہروں پر چمک دار جال بُن رہی

تھیں۔ سر پر نیلا آسمان اور حدِّ نظر تک پھیلا ہوا پانی۔۔۔ حمید منظر کی یکسانیت سے اُکتا گیا تھا۔ اِس دوران میں دو ایک بار اُس کی طبیعت بھی خراب ہو گئی تھی۔ لیکن فریدی کی احتیاطی تدابیر نے بیماری کو آگے نہ بڑھنے دیا۔۔۔ ابھی دو دِن کا سفر اور باقی تھا۔۔۔ حمید کو سر بنتھال کے اچانک غائب ہو جانے سے اُلجھن سی ہو گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ جہاز ہی پر موجود ہے اور اُلجھن کی وجہ بھی یہی تھی۔ کہیں کسی وقت حملہ نہ کر بیٹھے۔۔۔ اس وقت بھی ریستوران میں بیٹھا اُس کے متعلّق سوچ رہا تھا۔ بر خلاف اُس کے فریدی کے رویّے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ وہ اِس وقت بوڑھے مارٹن کو چھیڑ چھیڑ کر خود بھی قہقہے لگا رہا تھا۔۔۔ دو تین لڑکیاں بھی موجود تھیں۔ لیکن حمید اِس وقت لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"کیوں مک۔۔۔!" فریدی حمید کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "تُم اس وقت کُچھ اداس نظر آرہے ہو؟"

"مم۔۔۔ مم۔۔۔مف۔۔۔ مفم۔۔۔!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اپ۔۔۔!" فریدی زور سے چیخا۔۔۔ پھر قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔۔۔ لڑکیوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

"بے چارا ہکلا مک۔۔۔!" ایک لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچا کر بولی۔ حمید پہلے تو جھلّایا، لیکن پھر مُسکرا کر اُسے آنکھ مار دی۔

"کُچھ بھی ہو۔ یہ محبّت کرنا جانتا ہے۔" فریدی حمید کی پیٹھ ٹھونکتا ہوا بولا۔

"اِس سے تو کوئی پاگل اور کٹکھنی لڑکی ہی محبّت کر سکتی ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

حمید خاموش رہا۔۔۔ فریدی لڑکیوں کے مذاق میں دِل کھول کر حصّہ لے رہا تھا۔ کُچھ دیر بعد حمید کو اُس پر غصّہ آنے لگا۔ آخر کوئی حد بھی ہے لاپروائی کی۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سر بنتھال یہیں کہیں قریب ہی موجود ہے وہ کوئی احتیاطی تدبیر نہیں کر رہا۔ معلوم نہیں اُس کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ مُمکن ہے چھُپ کر کسی وقت حملہ کر بیٹھے۔

آخر کار فریدی اُٹھا۔۔۔ اور دونوں اپنے کیبنوں کی طرف آئے۔۔۔ اور

دوسرے لمحے میں فریدی بُری طرح گرج رہا تھا۔۔۔ کیبن میں سوٹ کیس کھلے پڑے تھے۔ بستر کی تہیں اُلٹ پلٹ ڈالی گئی تھیں بہرحال سارا سامان بے ترتیبی سے بکھرا پڑا تھا۔ فریدی نے چیخ چیخ کر سارا کیبن سر پر اٹھالیا۔ اِدھر اُدھر کے مسافر اکٹھا ہو گئے۔

"یہ دیکھو۔۔۔!" ذرا یہ بد انتظامی دیکھو۔ جہازوں پر بھی چور گھُسنے لگے۔" فریدی مجمع کی طرف مخاطب ہو کر چیخا۔ "میں ریستوران میں تھا۔۔۔ اور یہاں کوئی گھُس آیا۔"

اور پھر وہ چیختا ہوا کپتان کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ مجمع اس کے پیچھے تھا۔

"آخر یہ کیا مذاق ہے!" وہ کپتان کو مخاطب کر کے چیخا۔

"کیا بات ہے؟"

"میرے کیبن میں چور گھُسا تھا۔"

"چور۔۔۔!" کپتان چونک کر بولا۔ "کیا مطلب؟"

"آپ چور کا مطلب نہیں جانتے!" فریدی مجمع کو مخاطب کر کے طنزیہ انداز میں بولا۔

اور تھوڑی دیر بعد کپتان فریدی کے کیبن میں اس کا بیان قلم بند کر رہا تھا۔۔۔ کئی اور لوگ بھی کیبن میں موجود تھے۔

"میں کل رات کو عرشے کے ویران حصّے میں بیٹھا۔" فریدی کہنے لگا۔ "اُس حصّے میں جہاں خالی پیپوں کے ڈھیر ہیں۔ میں وہاں تقریباً آدھ گھنٹے تک رہا۔۔۔ جب وہاں سے واپس آیا تو یہاں میں نے ایک چرمی ہینڈ بیگ دیکھا جو میرا نہیں تھا۔ کُچھ تو نشے کی جھونک اور کُچھ نیند کا غلبہ میں مَیں نے اُس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور سو گیا۔۔۔ صُبح میں نے خیال کیا کہ اسے آپ کے حوالے کر دوں گا لیکن بھول گیا۔۔۔ اچانک ریستوران میں مُجھے یاد آیا کہ اُس ہینڈ بیگ کو انکوائری آفس میں دے دوں۔۔۔ اور جیسے ہی میں کیبن میں آیا تو یہ حالت دیکھی۔۔۔ وہ ہینڈ بیگ بھی غائب ہے۔ صُبح بھی میں نے اُسے دیکھا تھا۔"

"اُس بیگ میں کیا تھا؟" کیپٹن نے پوچھا۔

"مُجھے اچھّی طرح یاد نہیں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اُس میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی۔"

"عجیب معاملہ ہے۔" کپتان نے کہا۔۔۔ اُس کی آنکھوں سے بے اعتنائی ظاہر ہو رہی تھی۔

"آج نہ جانے کتنی حیرت انگیز باتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔۔۔ کوئی بہت ہی پُر اسرار۔۔۔ ہاں لیکن یہ تو بتایئے کہ آپ رات کو وہاں پیپوں کے پیچھے کیا کرنے گئے تھے؟"

"اپنے بنائے ریڈیو سیٹ پر مریخ کے باشندوں کے پیغامات سُننے کی کوشش کر رہا تھا۔" فریدی نے کہا۔

"ایک اور حیرت انگیز انکشاف۔" کپتان نے طنزیہ مُسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اوہ تو شاید تم مذاق سمجھتے ہو۔" فریدی غصّے سے بولا۔ "مکلارنس کہاں ہو، اوہ یہ

کم بخت کہاں مر گیا۔ ٹھہرو میں دِکھاتا ہوں تمہیں۔۔۔!"

"فریدی نے ایک سوٹ کیس کھول کر ایک عجیب قسم کی مشین نکالی جس میں بے شمار تار اور شیشے کی نلکیاں لگی ہوئی تھیں۔۔۔ اور پھر اُسے ایک بیٹری سے منسلک کر دیا۔۔۔ دو ایک پرزے اِدھر اُدھر کئے۔۔۔ مشین میں پہلے تو گھر گھراہٹ پیدا ہوئی۔۔۔ پھر چوں چوں۔۔۔ چرچ۔۔۔ چرچوں۔۔۔ کی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن یہ آوازیں کسی جاندار شے کی تھیں۔۔۔ کپتان اور دوسرے لوگ حیرت سے کبھی مشین کی طرف دیکھتے تھے اور کبھی فریدی کی طرف۔

"دیکھا کپتان۔" فریدی فخریہ انداز میں بولا۔ "کسی دِن یہ 'چوں چوں' ایک صاف سُنائی دینے والے پیغام میں تبدیل ہو جائے گی۔" فریدی نے بیٹری کا تار الگ کر دیا اور آواز آنی بند ہو گئی۔

"بہت اچھّے پروفیسر لاسلکی۔" بوڑھا مارٹن پُرجوش آواز میں چیخا۔

کپتان کُچھ متاثر ہوتا نظر آنے لگا۔ فریدی اُسے قہر آلود نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"کوئی چیز چوری ہو گئی؟" کپتان نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں ندامت تھی۔

"یہی تو حیرت انگیز بات ہے۔" فریدی بولا۔ "عجیب بد تمیز چور ہے جب اس نے کوئی چیز چرائی نہیں تھی تو پھر اُس نے خواہ مخواہ میرا سامان کیوں بکھیر دیا۔۔۔اور پھر وہ ہینڈ بیگ کیسا تھا، جو پُر اسرار طریقے پر غائب بھی ہو گیا؟"

"لیکن وہ تمہارے اس ریڈیو سیٹ کے چکّر میں نہ آیا ہو۔" کپتان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" فریدی نے کُچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ ہینڈ بیگ؟"

"یہی میں بھی سوچ رہا ہوں۔" کپتان نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد مجمع بر خواست ہو گیا۔ فریدی اور حمید تنہا رہ گئے۔

حمید نے کُچھ نہ کُچھ بولنے کی کوشش ہی کی تھی کہ فریدی نے اُسے ڈانٹ دیا۔

پھر آہستہ سے بولا۔ "عرشے پر چلو۔"

عرشے پر پہنچ کر دونوں ریلنگ سے ٹک گئے۔

"ہم وہاں کوئی گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔" فریدی بولا۔ "ہماری نگرانی ہو رہی ہے۔"

"آخر آپ نے یہ ڈھونگ کیوں پھیلایا ہے؟" حمید نے کہا۔

"میں نے جو کُچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ سر بنتھال جہاز ہی پر موجود ہے۔۔۔ گھبراہٹ میں وہ روپوش ہو گیا۔ لیکن اب اُسے افسوس ہو رہا ہو گا۔ اگر میرا اندازہ غَلَط نہیں ہے تو وہ رومال کے معاملے میں دھوکا کھا گیا ہو گا۔"

"یعنی۔۔۔!"

"اگر وہ حقیقتاً رومال کے راز سے خود واقف نہیں ہے تو میرا بنایا ہوا نقلی رومال جو میں نے اُس کے ہینڈ بیگ میں رکھ دیا تھا۔ اُسے مطمئن کر دے گا۔۔۔ میں نے اس کی ڈائری بھی اُسی میں رہنے دی ہے۔ اس طرح وہ کم از کم مُجھ پر شُبہ کرنا چھوڑ دے گا۔۔۔ مگر نہیں اس نے اپنی دانست میں ہمیں دھوکا دینے کی کوشش

کی اور یہ ظاہر کر کے کہ وہ جہاز سے فرار ہو گیا ہے۔۔۔ اپنا ہینڈ بیگ نکال لے گیا۔ بہر حال اب یہ دیکھنا ہے کہ میرے اس بیان سے جو میں نے کپتان کو دیا ہے اُس پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مگر یہ مشین کہاں سے نکل پڑی تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"بھئی اِسے بنانے میں میرا ایک دِن برباد ہو گیا تھا۔" فریدی نے کہا۔ "بہر حال اُسے ظاہر کرنے کا موقع جلد آ گیا۔ میں جو رول ادا کر رہا ہوں آخر اس کا کوئی ٹیکنیکل ثبوت بھی تو ہونا چاہئے۔"

"اوہ وہ آواز۔۔۔!" حمید نے پوچھا۔ "وہ تو حقیقتاً کسی ذی روح کی آواز معلوم ہوتی تھی۔"

"وہ ذی روح ایک اَلم رسیدہ چوہا ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "جو اُس مشین میں بند ہے۔ مشین میں بیٹری لگاتے ہی اُس کی دُم دو چرخیوں کے بیچ میں دبنے لگتی ہے اور وہ چیخنا شروع کر دیتا ہے۔"

حمید بے اختیار ہنس پڑا۔

"اور اِس طرح مریخ کے باشندوں کی آواز ہم تک پہنچتی ہے۔"

فریدی اُسے آنکھ مار کر مُسکراتا ہوا بولا۔

"آپ نے اپنا سارا پروگرام مُجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"تم تو بعض اوقات کسی خیر خواہ بیوی کی طرح احتساب کرنے لگتے ہو۔" فریدی نے مُسکرا کر کہا۔ "بس دیکھتے جاؤ۔ مداری کے جھولے سے ابھی اور کیا کیا نکلتا ہے۔"

"تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ سر بنتھال اس سے مطمئن ہو گیا ہو گا؟" حمید نے کہا۔

"اگر مطمئن نہ ہوا ہو گا تو اُلجھن میں ضرور پڑ جائے گا۔ اب میری باری آئی ہے۔"

فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

”اُلجھن میں کیوں پڑ جائے گا؟“حمید نے پوچھا۔

”محض اِس لیے کہ اگر میں نے اُس کا ہینڈ بیگ اڑایا ہوتا تو اس کے متعلّق کپتان کو کبھی نہ بتاتا۔۔۔ اور نہ اُسے اتنی لا پروائی سے کیبن میں ڈال دیتا۔۔۔ اس نے میرا سامان اُلٹ پلٹ کر دیکھا ہے۔۔۔ کیوں؟ کیا اس لیے نہیں کہ میری صحیح شخصیت کے متعلّق معلوم کر سکے۔۔۔ مگر وہاں بے چارے کو کیا ملتا۔۔۔ مگر تم اب بہت زیادہ محتاط رہنا۔۔۔ تمہاری طرف سے مُجھے خطرہ ہے کہ کہیں ہمارا راز کھل نہ جائے۔“

ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ بُوڑھا مارٹن انہیں اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔

”ہیلو پروفیسر۔۔۔!“ بُوڑھا مارٹن بولا۔ ”اِس چوری کے متعلّق تمہارا کیا خیال ہے؟“

”کُچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ فریدی نے کہا۔

”کولمبیا یونیورسٹی کا پروفیسر غائب ہے۔“ مارٹن نے کہا۔

”کہاں غائب ہے؟“ فریدی نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”صُبح سے غائب ہے اور ایک کشتی بھی غائب ہے۔“

”یعنی۔۔۔!“ فریدی چونک کر بولا۔

”کل رات وہ تم سے مریخ والوں کے اشاروں کے متعلّق گفتگو کر رہا تھا۔“

بُوڑھا مارٹن آنکھ مار کر بولا۔ ”کیا یہ مُمکن نہیں کہ وہی تمہارا ریڈیو چرانے کی نیّت سے تمہارے کیبن میں داخل ہوا ہو؟“

”لیکن ریڈیو سیٹ تو محفوظ ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ممکن ہے کوئی اِدھر آنکلا ہو اور اسے چرائے بغیر ہی وہ نکل گیا ہو؟“

”مگر تم کہتے ہو کہ ایک کشتی بھی غائب ہے۔ ظاہر ہے وہ دِن کو تو فرار ہو نہیں سکتا۔۔۔ اور چور دِن میں گھُسا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

"چور شاید رات ہی کو گھُستا۔۔۔ مگر تم نے اُسے اس کا موقع نہیں دیا۔" مارٹن بولا۔ "وہ رات کو تمہارے کیبن میں اپنا ہینڈ بیگ چھوڑ گیا تھا۔۔۔ اُسے توقع تھی کے تم اُس ہینڈ بیگ کو اُسی وقت کپتان کے پاس لے جاؤ گے اور اُسے تمہارے کیبن میں گھُسنے کا موقع مل جائے گا۔ لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔ رات بھر وہ تمہارے کیبن ہی میں رکھا رہا۔۔۔ لہٰذا صُبح جب تم ریستوران میں تھے تو وہ تمہارے کیبن میں گھُسا لیکن ناکامیاب ہونے پر اپنا ہینڈ بیگ لے کر نکل گیا۔"

"اوہ۔۔۔!" فریدی مارٹن کو تحیّر آمیز نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔ "تم واقعی ایک اچھّے جاسوس ثابت ہو سکتے ہو۔"

"خخ۔۔۔خخ۔۔۔ خلل۔۔۔ خلیل۔۔۔!" حمید ہکلایا۔

"شٹ اَپ۔۔۔!" فریدی جھنجھلا کر چیخا۔

مارٹن بے تحاشہ ہنسنے لگا۔۔۔ حمید کا نچلا جبڑا ابھی تک متحرک تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کُچھ کہنے کی کوشش کر رہا ہو۔۔۔ فریدی نے غصّہ سے گھور کر اُسے

دیکھا اور حمید کے جبڑے کی حرکت اچانک بند ہو گئی۔ اس نے اپنے دانت بھینچ لئے تھے۔

"بے چارہ مکلارنس۔۔۔ بھو۔۔۔!" مارٹن بولا۔

حمید قہر آلود نظروں سے اُسے گھورنے لگا۔۔۔

"تو وہ میرا سیٹ چرانا چاہتا تھا۔۔۔ میں اس کا سر توڑ دوں گا۔" فریدی مٹھیاں بھینچ کر آہستہ سے بڑبڑایا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو۔" بوڑھا مارٹن مُسکرا کر بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا۔" فریدی نے کہا اور سوچنے لگا۔

رومال کا راز

پھر بقیہ سفر میں کسی قسم کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ البتّہ جہاز میں کشتی اور کولمبیا والے پروفیسر کی گُمشدگی کی وجہ سے ہیجان ضرور رہا۔ حمید کو افسوس تھا کہ سر بنتھال اِس طرح ہاتھ آکر نکل گیا۔ لیکن فریدی کُچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اُسے تو دراصل اس رومال کا راز معلوم کرنے کی فکر تھی جس کی بدولت اتنے قتل ہوئے تھے اور یہ بھی اس کے ذہن نشین ہو چکا تھا کہ سر بنتھال بھی اُس کے راز سے واقف ہے۔ لہٰذا اُسے اب اُس ہستی کی فکر تھی جس نے سر بنتھال کو رومال حاصل کرنے کے لیے مقرّر کیا تھا۔ سر بنتھال کی ڈائری سے یہ بات واضح ہو گئی

تھی۔ وہ یہ کام کسی اور کے لیے کر رہا تھا۔ اُس کے اچانک غائب ہو جانے سے فریدی پھر اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور ہو گیا۔۔۔ ابھی تک اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ آئندہ وہ کیا کرے گا، رومال اب بھی اس کے پاس تھا لیکن بے کار۔۔۔ بھلا اُس رومال سے وہ کیا حاصل کر سکتا تھا۔۔۔ ایک معمولی سا رومال اور بس۔۔۔ لیکن اُسے ایک اُمّید تھی وہ یہ کہ مِصر کا محکمہ سُراغ رسانی اس مسئلے پر روشنی ضرور ڈال سکے گا۔

قاہرہ پہنچ کر وہ ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ فریدی محسوس کر رہا تھا کہ ان کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔۔۔ اب اُس کی سمجھ میں آیا کہ سر بنتھال غائب کیوں ہو گیا تھا اور پھر اُسے اپنا یہ خیال بدل دینا پڑا کہ وہ اُن کے متعلّق غَلَط فہمی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ لیکن رومال کا مسئلہ ابھی تک اُلجھن کا باعث بنا ہوا تھا۔ اگر سر بنتھال کو اپنی غَلَطی کا علم ہو گیا ہے تو وہ ضرور حملہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسی صورت میں انہیں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور وہ رومال۔۔۔ اُس رومال کی حفاظت بھی ضروری تھی۔ فریدی اسے ہر وقت اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔

ایک دِن انہوں نے آرام کیا اور پھر دوسرے دِن سے فریدی نے اپنی تفتیش کا سِلسِلہ شروع کر دیا۔ وہ ایک مِصری کے بھیس میں ہوٹل سے تنہا نکل جاتا اور پھر کافی رات گئے واپس آتا۔ اس دوران میں حمید کمرے میں پڑے پڑے یا تو کتابیں پڑھتا یا پھر کارٹون بناتا رہتا۔

ایک رات جب فریدی واپس آیا تو چہرے سے ایک نئے قسم کا جوش ظاہر ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں وہی پرانی چمک کود کر آئی تھی جو اکثر کسی ناقابلِ حل مسئلے کے آسان ہو جانے پر پیدا ہوا کرتی تھی وہ آتے ہی پلنگ پر گر پڑا۔

"حمید۔۔۔!" وہ آہستہ سے بولا۔ "دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے اُن پر سیاہ پردے کھینچ دو۔"

"خیریت۔۔۔!" حمید چونک کر بولا۔

"جلدی کرو۔"

حمید نے دروازے اور کھڑیاں بند کر کے سیاہ پردے کھینچ دیئے۔

"بکس سے ہیٹر نکالو۔" حمید نے تعمیل کی۔ فریدی نے ہیٹر کا پلگ سوئچ بورڈ میں لگا دیا۔

"کیا چائے بنایئے گا؟" حمید نے مُسکرا کر کہا۔ "کیوں نہ میں ویٹر کو بُلا کر نیچے سے چائے منگوالوں۔"

"بکو مت۔۔۔!" فریدی نے کہا۔ "قریب آؤ۔۔۔!"

فریدی نے جیب سے حسینہ والا رومال نکالا اور اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر ہیٹر سے آدھے بالشت کی اونچائی پر تان دیا۔ اور حمید کے دیکھتے ہی دیکھتے رومال کی سفید سطح پر سیاہ رنگ کی لکیریں ابھرنے لگیں۔

"ارے یہ کیا۔۔۔!" حمید اُچھل کر بولا۔

"چیخو نہیں۔۔۔ آہستہ بولو۔" فریدی نے کہا۔

حمید سوالیہ نگاہوں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

”برخوردار یہ طریقہ اتّفاقیہ دریافت ہوگیا۔“

”لیکن ہے کیا بلا؟“

”کوئی نقشہ۔۔۔“ فریدی نے کہا۔

”کسی خاص جگہ کا۔“ حمید بولا۔

”میں ایسا نہیں سمجھتا۔“ فریدی نے کہا۔

”پھر۔۔۔!“

”ابھی کُچھ نہیں کہہ سکتا۔“ فریدی نے رومال پر ابھری ہوئی نئی لکیروں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ کُتّے کا سر دیکھ رہے ہو؟“

حمید جھُک کر دیکھنے لگا۔۔۔ ایک کُتّے کا سر جس کا مُنہ کھُلا ہوا تھا۔ ایک کُتّا جو آسمان کی طرف سر اُٹھائے بھونک رہا تھا۔ پھر اس کے نیچے ایک نقشہ تھا۔۔۔ اور ایک جگہ ”۹۷۵“ ہندسے لکھے ہوئے تھے۔ حمید نے پھر استفہامیہ نظروں سے

فریدی کی طرف دیکھا۔ فریدی نے رومال کو تہہ کر کے جیب میں رکھ لیا۔ ہیٹر ہٹا دیا گیا۔

"کُچھ سمجھ میں آیا؟" فریدی نے پوچھا۔

"کُچھ بھی نہیں۔" حمید نے کہا۔ "لیکن آپ کو یہ تدبیر کیسے سوجھ گئی؟"

"اِتّفاقاً یہ راز معلوم ہو گیا۔ آج شام کو تھک کر ایک پارک کے ویران گوشے میں بیٹھ گیا تھا۔ یہ رومال میرے زانوں پر پھیلا تھا۔۔۔ اور ہاتھ میں سِگار تھا۔۔۔ شاید سِگار کا جلتا ہوا حصّہ رومال کی سطح سے قریب تھا۔۔۔ دفعتاً میری نظر رومال پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ ایک جگہ کُچھ سیاہ لکیریں اُبھر آئی ہیں۔ پہلے تو مُجھے حیرت ہوئی لیکن پھر سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا۔ میں نے کئی جگہ سِگار کے جلتے ہوئے حصّے سے اِسی طرح لکیریں ابھاریں اور پھر رومال کو جیب میں رکھ کر سیدھا اِدھر ہی چلا آیا۔۔۔ اور اب دوسرا عجوبہ دیکھنا چاہتے ہو؟"

فریدی نے حمید کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رومال جیب سے نکالا

اور حمید کے سامنے پھیلا دیا۔

"ارے وہ نقشہ کہاں گیا؟" حمید حیرت سے بولا۔

"غائب ہو گیا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "جب تک رومال گرم رہتا ہے لکیریں دکھائی دیتی ہیں اور ٹھنڈا ہوتے ہی غائب ہو جاتی ہیں۔۔۔ میرے خیال میں یہ علی فضیل ہی کی جدّت معلوم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔!"

"یہ نقشہ اُسی نے تیّار کیا تھا اور شاید اسی کی وجہ سے اس کی جان بھی گئی۔" فریدی نے کہا۔

"یعنی آپ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت جو لوگ رومال میں دلچسپی لے رہے ہیں وہی علی فضیل کے بھی قاتل ہیں؟" حمید نے کہا۔

"قطعی۔ حالات یہی کہتے ہیں۔"

"کیسے حالات۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"چھوڑو بھی۔۔۔ ابھی میں نے کھانا نہیں کھایا۔" فریدی نے کہا۔ "یہ سیاہ پردے اب ہٹا دو۔۔۔ ہم لوگ اس وقت یہیں کمرے میں کھانا کھائیں گے۔" فریدی نے ٹیلی فون پر ہیڈ ویٹر کو کمرے ہی میں کھانا بھجوانے کا آرڈر دیا۔۔۔ اور پھر ایک کرسی پر بیٹھ کر اونگھنے لگا۔

حمید کا اضطراب لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ لیکن اُسے اچھّی طرح معلوم تھا کہ فریدی کھانے سے پہلے ایک لفظ بھی نہ بتائے گا۔ یہ اس کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ جو زبان سے کہتا اسی پر اڑ جاتا۔

کھانے کے دوران میں فریدی بالکل خاموش رہا۔ حمید نے کئی بار گفتگو چھیڑنے کی کوشش کی لیکن فریدی صاف ٹال گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر حمید نے بھی طے کر لیا اب وہ اس کے متعلّق ایک لفظ بھی نہ پوچھے گا۔

کھانا کھا چُکنے کے بعد فریدی نے سِگار سُلگایا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ حمید سونے کی

تیّاری کرنے لگا۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ حمید شب خوابی کا لباس پہن رہا تھا۔ فریدی کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مُسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور کیا یہ تعجّب خیز بات نہیں کہ علی فضیل کُتّے کے سر کے قریب قتل کر دیا گیا۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا۔۔۔؟" حمید بے ساختہ بولا۔ "کُتّے کے سر کے قریب۔"

لیکن پھر اُسے اپنی غَلَطی کا احساس ہوا۔۔۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ فریدی نے اسے دوبارہ دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے علی فضیل کے قتل کے متعلّق ساری تفصیلات معلوم کر لی ہیں۔۔۔ وہ ایک ایسے علاقہ میں قتل کیا گیا تھا جو بدروحوں کا مسکن بتایا جاتا ہے۔ وہ یہاں سے اٹھارہ میل کی دوری پر سمندر کے کنارے کا علاقہ ہے اور اس علاقے کا نام ہے کلب الشیاطیف۔۔۔ یعنی شیطانوں کا کُتّا۔"

حمید بولا۔ "اِسی بنا پر آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کُتّے کے سر کے قریب قتل کیا گیا

تھا؟"

"نہیں۔۔۔ یہ بات نہیں۔ وہاں سچ مچ ایک کُتّے کا سر موجود ہے۔" فریدی نے کہا۔

"کُچھ نہ سمجھے خُدا کرے کوئی۔" حمید بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"بہت اچھّے۔" فریدی ہنس کر بولا۔ "بخدا تمہاری موجودگی میں مُجھے اِس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ میں غیر شادی شدہ ہوں۔۔۔ آخر تمہاری ادائیں اتنی بیویانہ کیوں ہیں؟"

"چھوڑیے بھی۔" حمید اُکتا کر بولا۔ "میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ تو میں کیا کہہ رہا تھا۔۔۔ہاں۔۔۔وہ کُتّے کا سر۔۔۔!"

"نہیں تمہارا سر۔۔۔!" پیچھے سے آواز آئی۔۔۔ فریدی چونک کر پلٹا۔ دروازے میں سر بنتھال اپنی اصلی شکل میں کھڑا مُسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کا رُخ فریدی اور حمید کی طرف تھا۔ "حسینہ والا رومال نکالو۔" اُس

نے آہستہ سے کہا۔ فریدی خاموش رہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہوٹل میں پستول کا دھماکہ گونجے۔" سر بنتھال نے آگے بڑھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "اگر تُم نے اسی پر مجبور کیا تو۔۔۔"

"آؤ بیٹھو۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "اتنی بھی کیا عُجلت۔۔۔ تمہارے لیے وہسکی منگاؤں یا مارٹینی۔"

"بکو مت۔۔۔ جلدی کرو۔"

"مگر تُم مر گئے تھے۔" حمید نے کہا۔

"تمہاری ہی وجہ سے مرنا بھی پڑا تھا۔۔۔ لیکن شاید اب کی تمہاری ہی باری ہے۔" سر بنتھال نے کہا۔ "رومال نکالو!"

"تو واقعی اس وقت تمہارا موڈ بہت خراب ہے۔" فریدی نے کہا۔ "کیا جبّار سے ملنے کا ارادہ نہیں؟"

"جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اسی کے پاس پہنچا دیا جائے۔" سر بنتھال دانت پیس کر بولا۔

فریدی نے جیب سے رومال نکال کر اس کے سامنے ڈال دیا۔۔۔ سر بنتھال رومال اٹھانے کے لیے جھکا ہی تھا کہ فریدی اس پر ٹوٹ پڑا۔ پستول اُچھل کر دور جا گرا۔۔۔ حمید نے بڑھ کر پستول اٹھالیا۔۔۔ لیکن وہ ابھی سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اُس پر نہ جانے کدھر سے دو آدمی ٹوٹ پڑے۔۔۔ اور پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کمرے میں آہستہ آہستہ تاریکی پھیل رہی ہو۔۔۔ اور پھر ایک لامتناہی اندھیرا۔ حمید نہ جانے کب تک بے ہوش رہا۔۔۔ اور پھر جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ قریب ہی فریدی ریشم کی ڈوری سے جکڑا پڑا ہے۔

"حمید تمہیں ہوش تو آیا۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"ہم کہاں ہیں؟" حمید گھبرا کر بولا۔

"جہاں تھے۔" فریدی نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں سب خیریت ہے۔۔۔ بس ذرا اٹھ

کر مجھے کھول دو۔۔۔ سر بنتھال کے ہاتھوں یہ تیسری چوٹ ہے۔ اس کے ساتھ پانچ آدمی اور تھے۔۔۔ خیر دیکھا جائے گا۔"

حمید نے اٹھ کر اُسے رسیوں کے پیچ و خم سے آزاد کیا۔

"رومال۔۔۔؟" حمید نے پوچھا۔

"وہ لوگ لے گئے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"پھر اب کیا ہوگا؟"

"کچھ نہیں۔" فریدی نے کہا۔ "وہ اس نقشے کو میرے ذہن سے نہیں مٹا سکتے۔"

"مگر یہ ذلّت۔۔۔!"

"اوہ۔۔۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "مارنے والے کبھی پِٹ بھی جاتے ہیں۔۔۔ کون جانے کل ہم اسے صاف ہی کر دیں۔ خیر ہاں تو میں تمہیں کُتّے کے سر کے متعلّق بتا رہا تھا۔۔۔ ساحل سے تقریباً تین فرلانگ کے فاصلے پر سمندر میں کچھ

چٹانیں اُبھری ہوئی ہیں۔ اُن میں سے ایک بالکل کُتّے کے سر سے مشابہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی دیو پیکر کُتّا سمندر کی سطح پر آسمان کی طرف مُنہ اُٹھائے بھونک رہا ہو۔۔۔ اس لیے وہ ساحلی علاقہ کلب الشیاطیف کے نام سے مشہور ہے۔ قدیم زمانے سے یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ وہ چٹانیں خبیث روحوں کا مسکن ہیں۔۔۔ یہ اطلاعات مجُھے یہاں کے محکمہ سراغ رسانی سے ملی ہوئی ہیں۔ ہاں تو اس علاقے میں ماہی گیروں کا ایک گاؤں آباد ہے۔۔۔ وہاں کے باشندے آئے دِن طرح طرح کی افواہیں اڑاتے رہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اکثر اس پتھریلے کُتّے کے مُنہ سے بھُوت نکل کر ساحل پر ٹہلا کرتے ہیں۔۔۔ کبھی کبھی اُس کُتّے کے منہ سے گرم ہوا کے جھونکے نکلتے ہیں۔ جو اکثر اتنے تیز ہوتے ہیں کہ ان کی زد میں آئی ہوئی کوئی چیز بھی سوکھے پتے کی طرح اڑتی چلی جاتی ہے۔۔۔ یہ بھی سُنا جاتا ہے کہ پچھلے سال اسی کُتّے کے مُنہ سے اتنی شدید آندھی چلی تھی کہ پورا گاؤں تباہ ہو گیا تھا۔ اکثر لوگ اب بھی اسے موت کی آندھی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔۔۔ علی فضیل کا قتل اسی علاقہ میں ہوا تھا اور یہ حقیقت

ہے کہ کسی نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر چیر ڈالی تھیں۔۔۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وہ اس دوران میں دوسری جنگ عظیم کے کُچھ شکست خوردہ جرمنوں کی تلاش میں تھا۔۔۔!"

"واقعی اس بار بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آرہے ہیں۔"

"نہیں۔۔۔ یہ محض اطلاعات ہیں۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن کل ہم اُدھر چلیں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ میرا اشاہماریس ہو گا۔" فریدی خود اعتمادی کے ساتھ بولا۔

"اچھّا یہاں کے محکمہ سراغ رسانی والوں کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کُچھ نہیں وہ اُسے محض ضعیف الاعتقادی قرار دیتے ہیں۔۔۔ پچھلے سال والی آندھی کے متعلّق ان کا خیال ہے کہ وہ سائیکلون تھا۔۔۔ اور اس قسم کے چھوٹے موٹے واقعات کو بھی وہ ہلکے قسم کے سائیکلون ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔"

”اور علی فضیل کی موت۔۔۔؟“حمید نے پوچھا۔

”اس کے متعلّق اُن کا خیال ہے کہ وہ کسی درندے کا شکار ہو گیا۔“

”میرا خیال ہے کہ ہاتھی کے علاوہ کوئی جانور اس طرح ٹانگیں نہیں چیر سکتا۔“
حمید نے کہا۔

”تو پھر وہاں ہاتھی کے پیروں کے نشانات ضرور پائے گئے ہوں گے۔“

فریدی ہنسنے لگا۔

”نہیں ہاتھی کے پیروں کے نشانات نہیں پائے گئے۔“فریدی نے کہا۔

”پھر اس کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ وہ کسی درندے کی حرکت تھی۔“

”کوئی ثبوت نہیں۔“

”پھر۔۔۔!“

”ارے بھئی اس کے علاوہ وہ اور کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کسی انسان سے

اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔"

"عجیب و غریب محکمہ ہے۔" حمید نے کہا۔

"علی فضیل یہاں کا بہترین دماغ تھا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن آخر سر بنتھال اس میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"یہی تو دیکھنا ہے۔" فریدی بولا۔ "ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ سر بنتھال بھی آدھا جرمن ہے اور علی فضیل کُچھ بھاگے ہوئے جرمنوں کا پتہ لگا رہا تھا۔"

"بہر حال یہاں تک تو کُچھ کڑیاں ملتی ہیں۔ لیکن انہیں ملانا پڑے گا۔ اس ایک رومال کے لیے اتنے قتل ہو گئے۔۔۔ آخر۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ اِس رومال میں کلب الشیاطیف کا پوشیدہ نقشہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟"

فریدی کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ حمید بھی خاموش ہو گیا۔

"کیوں نہ ہم اس وقت کے حادثے کی اطلاع ہوٹل کے منیجر کو دے دیں؟" حمید

نے کہا۔

"ایسی حرکت بھی نہ کرنا۔۔۔ نہیں تو بڑی پریشانی میں مُبتلا ہو جائیں گے اور جس کام کے لیے آئے ہیں وہ دھرا ہی رہ جائے گا۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"ارے میاں۔۔۔ اتنی معمولی سی بات نہیں سمجھتے۔ اس کی اِطّلاع پولیس میں ہو گی اور پھر اس کا جو انجام ہو گا اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

"بہر حال ہمیں اپنی حفاظت کے لیے کُچھ نہ کُچھ کرنا ہی پڑے گا۔" حمید نے کہا۔

"اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم جہاں بھی رہیں ہوشیار رہیں۔" فریدی بولا۔

"ہم کہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔" حمید نے کہا۔ "سر بنتھال ہمیں نہایت آسانی سے قتل کر سکتا ہے۔"

”لیکن یہ نہ بھولو کہ وہ خود بھی اب معاملات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ ورنہ اسی وقت وہ ہمیں ٹھکانے لگا دیتا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس وقت اس نے ہنگامے کے خیال سے ایسا نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ پستول کی آواز سے لوگ اکٹھا ہو جاتے اور انہیں یہاں سے نکل جانے میں دشواری ہوتی۔“ حمید نے کہا۔

”ہم قطعی اُس کے قابو میں تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اگر وہ چاہتا تو ہمارا گلا گھونٹ کر نہایت آسانی سے ہمیں ٹھنڈا کر دیتا اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی۔“

کلب الشیاطیف

دوسرے دِن فریدی اور حمید مُختصر سامان کے ساتھ کلب الشیاطیف کے علاقے کی طرف روانہ ہوگئے۔۔ وہ دونوں مِصر کے شہری باشندوں کے بھیس میں تھے۔ حمید کو پھر گونگا بننا پڑا۔ کیونکہ وہ مِصری زبان سے قطعی نابلد تھا۔ خود فریدی کو بھی یہاں کی زبان بولنے میں تھوڑی بہت دقّت ضرور ہوتی تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ الفاظ کا تلفّظ تھا۔ یہاں کی زبان عربی ضرور تھی لیکن فرانس اور اطالیہ کے قُرب نے اُسے خالص عربی نہیں رہنے دیا تھا۔۔ اور الفاظ کے تلفّظ پر بھی اطالوی اور فرانسیسی نے گہرا اثر ڈالا تھا۔ لہٰذا یہاں فریدی کو ہکلا بننا پڑا۔

ساحل سے دو میل اِدھر ہی کلباش کا قصبہ تھا۔ غالباً کبھی اس کا نام کلب الشیاطیف ہی رہا ہو گا۔ لیکن بعد کی نسلوں نے ازراہِ دانش مندی اس کے مخفف ہی پر قناعت کی اور اسے کلباش کہنے لگے۔ فریدی اور حمید ایک سرائے میں اُترے۔۔۔ سرائے کے مالک نے اس کا نام پوچھا اور وہ ہکلانے لگا۔ آخر سرائے کے مالک نے اس کی طرف کاغذ اور پنسل بڑھا دیا۔ فریدی نے اپنا نام جمیل لکھا اور حمید کا سہیل۔ "گمیل و سہیل" سرائے کا مالک سر ہلا کر بولا۔ انہیں ایک کوٹھری مل گئی۔

"دیکھا تم نے مشرق اور مغرب کے ناجائز تعلّق کا نتیجہ۔۔۔!" فریدی نے حمید سے کہا۔ "یہ لوگ جمیل کو گمیل بولنے لگے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جنّت کو گنّت اور جہنّم کو گہنّم کہتے ہوں گے۔" حمید ہنس کر بولا۔

"کیوں نہ ہم لوگ ایک نظر اُس چٹان کو دیکھ آئیں؟" فریدی نے کہا۔ "اور کام تو

رات سے شروع کریں گے۔"

"کام سے کیا مطلب ہے آپ کا؟" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"اس چٹان کے اندر جانے کا راستہ تلاش کرنا۔" فریدی نے کہا۔ "وہ نقشہ اُسی سے متعلّق تھا۔"

اور پھر دونوں ساحل کی طرف روانہ ہوگئے۔ آفتاب آہستہ آہستہ ان کے سروں پر آرہا تھا۔

سمندر کے پانی کی بساند فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ علاقہ سرسبز وشاداب تھا۔۔۔ ریت کے تودوں کے درمیان بے شمار چھوٹی چھوٹی ہری بھری جھاڑیاں تھیں اور ان کا سِلسِلہ ڈھلوان زمین تک جہاں سمندر کی لہریں ٹکراتی تھیں چلا گیا تھا۔۔۔ دور سمندر میں ابھری ہوئی چٹانوں کے کئی سِلسِلے تھے۔۔۔ اور پھر انہیں کلب الشیاطیف نظر آگیا۔۔۔ قدرت کی نقّاشی کا یہ نمونہ بالکل کسی آدمی کا کارنامہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں کے باشندوں کا خیال تھا کہ وہ قدرتی ہے۔ وہ کُتّے کا عظیم

الشّان سر کسی آدمی کی کاری گری نہیں بلکہ دستِ قدرت کا کرشمہ ہے۔

"میں یہ نہیں مان سکتا کہ یہ قدرتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"ہو یا نہ ہو ہمیں اس سے غرض نہیں۔ اس سوال کو کسی ماہرِ آثارِ قدیمہ کے لیے چھوڑ دو۔" فریدی نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ابوالہول ہی کی طرح کسی آدمی کا کارنامہ ہو۔۔۔ مُمکن ہے اب سے ہزار سال قبل یہاں سمندر نہ رہا ہو۔۔۔ لیکن ہمیں اِس سے غرض نہیں۔۔۔ ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ اس کے اندر ہے کیا۔"

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ غور سے چٹان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے بعد اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ پتھریلا اور دیو پیکر کُتّا مُنہ پھاڑے ہوئے ان کی طرف آ رہا ہے۔ حمید گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے۔۔۔ وہ اِدھر آ رہا ہے۔۔۔!"

فریدی نے قہقہہ لگایا۔ "احمق ہو۔۔۔ چاروں طرف پھیلا ہوا سمندر دیکھ کر

تمہیں چکّر آگیا ہے۔"

دفعتاً گرم ہوا کا ایک شدید جھونکا اُن کے جسم سے ٹکرایا اور وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گئے۔

"بخدا یہ اُس کے مُنہ سے نکلا ہے۔" حمید چیخا۔

"ہاں۔۔۔ میں نے بھی محسوس کیا ہے۔۔۔ لیکن یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں۔ مُمکن ہے اِس چٹّان میں چونے کی کان ہو اور سمندر کا پانی وقتاً فوقتاً اُس کے اندر جا کر اُسے کھولا دیتا ہو۔"

"اور آپ اِس کھولتی ہوئی چٹّان کے اندر مُجھے بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔" حمید نے کہا۔

"خیر مرنا تو ہم دونوں کو ساتھ ہی ہے۔" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "میں کبھی کوئی کام ادھورا چھوڑنے کا عادی نہیں۔"

حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کو اُس کے ارادے سے باز رکھنا نا

ممکن ہے۔

”میرا خیال ہے کہ یہ ماہی گیروں کی کشتیاں ہیں۔“ فریدی کُچھ دور ریت پر اوندھی پڑی ہوئی چند کشتیوں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”آج رات اِن میں سے ایک ہماری مدد کرے گی۔“

پھر وہ لوگ وہاں سے لوٹ آئے۔ آنے سے قبل فریدی کُچھ دیر کنارے پر کھڑا چٹانوں کے سِلسِلے تک پہنچنے کے امکانات پر غور کرتا رہا۔ سرائے واپس آکر کھانے کے بعد وہ ضروری انتظامات میں مشغول ہو گیا۔

سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ سرائے کے باورچی خانے سے بنولے کے تیل میں تلی جانے والی مچھلی کی خوشگوار اور اشتہا انگیز خوشبو اُٹھ کر فضا میں منتشر ہو رہی تھی۔ صحن میں دو چار میلے کچیلے بچّے اُچھل اُچھل کر کوئی دیہاتی گیت گا رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ایک خارش زدہ کُتّا پڑا اُونگھ رہا تھا۔ سرائے کا مالک ایک چوکی پر برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے آنکھیں بند

کیے بیٹھا تھا، کبھی کبھی وہ ایک آنکھ کھول کر شور مچاتے ہوئے بچّوں کی طرف لاپرواہی سے دیکھتا اور پھر اونگھنے لگتا۔ اُس کی بیوی جو اُس سے مقابلے میں کافی کم سِن تھی اور بار بار باورچی خانے کی کھڑکی میں آکر اُنگلیوں سے اپنے بالوں میں کنگھی کرتی اور کبھی کبھی شور مچاتے ہوئے بچّوں میں سے کسی ایک کا نام لے کر پکارتی اور اُسے گھونسا دِکھاتی ہوئی پھر لوٹ جاتی۔ حمید کا ذہن اُس میں دِلکشی ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر محض اس لیے اُس سے نفرت کرنے پر مجبور تھا کہ وہ اس کی زبان نہیں سمجھ رہا تھا۔۔۔ ایک بار اُس نے طوعاً و کرہاً اُسے آنکھ بھی ماری لیکن اُس کا کوئی ردِّ عمل نہ دیکھ کر اُسے اُس سے زیادہ نفرت ہو گئی۔ نہ وہ مُسکرائی نہ شرمائی اور نہ غصّے ہی کا اظہار کیا۔۔۔ گویا حمید اُسے آنکھ مارنے کے بجائے اپنی ناک کھجلائی تھی۔ آخر وہ اُکتا کر اپنی کھڑکی سے ہٹ گیا۔۔۔

"آخر مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا نا۔۔۔!" فریدی مُسکرا کر بولا۔

"کیسی مایوسی۔۔۔؟" حمید نے انجان بن کر پوچھا۔

”یہ آئینہ دیکھ رہے ہو؟“ فریدی نے دیوار پر لٹکے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”تمہارا چہرہ اُس میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔“

”اوہ تو آپ بھی اُسی کے چکّر میں تھے۔“ حمید ہنس کر بولا۔ ”اِسی لیے میں نے ہاتھ پیر سمیٹ لیے۔“

”میرے بچّے میں یہاں عیاشی کے لیے نہیں آیا۔“ فریدی نے کہا اور سیاہ رنگ کی ریشمی چادریں تہہ کر کے ایک طرف ڈال دیں۔

حمید جھلّا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ زندگی میں ایک بار سمندر پار آنے کا موقع ملا ہے تو پابندیوں کے ساتھ۔۔۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

آٹھ بجے رات تک فریدی بالکل تیار ہو گیا۔ کھانا ختم کر چُکنے کے بعد ضروری سامان لے کر سرائے سے روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سرائے والے کو اتنی رقم پیشگی دے دی تھی کہ اُسے اس کی کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ اُس

نے فریدی کو اطمینان دِلایا تھا کہ وہ رات کو جس وقت بھی آئے گا سرائے کا پھاٹک کھول دیا جائے گا۔ رات تاریک تھی۔ خلاف توقّع مطلع ابر آلود ہو جانے کی وجہ سے ستاروں کی روشنی بھی نہیں تھی۔ کُچھ دور چل کر انہوں نے احتیاطاً سیاہ رنگ کی چادریں اوڑھ لیں۔

"۹۷۵ کا مسئلہ کسی طرح حل نہیں ہوتا۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔

"میں نہیں سمجھا۔" حمید نے کہا۔

"کیا تمہیں یاد نہیں کہ یہ عدد رومال والے نقشے میں تھا۔" فریدی نے کہا۔

"تو کیا بقیہ نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"قریب قریب۔۔۔!"

دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ گھنی جھاڑیوں سے بچتے تیز تیز قدم اٹھاتے ساحل کی طرف جارہے تھے۔ حمید بالکل خالی الذّہن تھا۔ بس وہ چل رہا تھا۔ اسے کیا کرنا ہو گا اِس سے قطعی بے خبر تھا۔ خود فریدی کی بھی یہی حالت تھی۔ اس کے ذہن

میں صرف ایک چیز تھی وہ یہ کہ انہیں ایک کشتی حاصل کر کے چٹّانوں کے سِلسِلے تک پہنچنا ہے۔

اِس وقت کُتّے کا سر تاریکی میں اور زیادہ خوفناک معلوم ہو رہا تھا۔ حمید کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس چٹان کے گردوپیش کی فضا پُر اسرار اور ڈراؤنی تھی۔ چاروں طرف لامتناہی سنّاٹا تھا۔ کبھی کبھی کسی آبی جانور کی آواز سکوت کو چیرتی دور تک لہراتی چلی جاتی۔ فریدی نے حمید کے جسم کی کپکپاہٹ محسوس کر لی۔

"کیوں کیا بات ہے؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کک کُچھ نہیں۔۔۔ میں سوچ۔۔۔ رہا تھا۔" حمید ہکلایا۔

لیکن پھر سوچنے لگا کہ کیا کہے دفعتاً اُسے سر بنتھال یاد آ گیا اور وہ بولا۔ "ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ سر بنتھال نے خود کو ظاہر کیوں کر دیا۔ وہ فضیل کی شکل میں بھی ہوٹل میں آسکتا تھا۔"

"محض ہمیں ڈرانے کے لیے، وہ سمجھا تھا کہ ہم اُسے بھُوت سمجھ کر غش کھا جائیں گے۔"

فریدی نے کہا۔ "لیکن تُم نے یہ بات خواہ مخواہ چھیڑی ہے۔۔۔ کیوں کیا ڈر لگ رہا ہے؟"

"ڈر۔۔۔ لا حول ولا قوّۃ۔۔۔!" حمید اکڑ کر بولا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ فریدی بھی چونک کر پیچھے ہٹا۔ سامنے پتھریلے کُتّے کے پھیلے ہوئے جبڑوں سے ہرے رنگ کی روشنی نکل رہی تھی۔ کُچھ دھواں بھی تھا۔ پھر سنّاٹے کی آواز آئی اور کوئی چیز جو کافی طویل و عریض تھی کُتّے کے مُنہ سے نکل کر فضا میں تیرتی ہوئی ساحل کی طرف آتی دکھائی دی۔

"بھاگو۔۔۔! فریدی نے آہستہ سے کہا۔ دونوں نے پوری قوّت سے دوڑنا شروع کر دیا اور پھر انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو۔ فریدی نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی جس کی اونچائی دس گیارہ فٹ سے کم نہ رہی ہو

گی۔ اُن کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ فریدی نے ریوالور نکال کر فائر کیا۔ گولی اُس کے جسم سے ٹکرائی اور ایسا چھنّاکا پیدا ہوا جیسے ٹھوس لوہے پر پتھّر گرا ہو۔۔۔ وہ اب بھی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

"حمید جھاڑیوں میں۔۔۔!" فریدی نے کہا۔۔۔ اور وہ جھاڑیوں میں گھُس گئے۔

"چادر اوڑھ لو جلدی کرو۔۔۔ لیٹ جاؤ۔۔۔ چادر تان لو۔۔۔ وہ آگیا۔" دونوں نے لیٹ کر سیاہ چادریں تان لیں۔۔۔ آسمان کھل گیا تھا۔۔۔ ستاروں کی چھاؤں میں فریدی نے دیکھا وہ غیر معمولی اونچائی والا آدمی ان کے قریب ساکت و سامت کھڑا تھا۔ فریدی نے چادر سے منہ نکالنے کی بھی ہمّت نہ کی۔ وہ اپنی گولی کا انجام دیکھ چکا تھا۔ کئی منٹ گذر گئے۔ وہ اُسی جگہ بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ کیا وہ کوئی آدمی تھا؟ فریدی کے ذہن میں سوال پیدا ہوا؟ لیکن کوئی آدمی نہ تو اتنا لمبا ہو سکتا ہے اور نہ فضا میں اڑ سکتا ہے۔۔۔ پھر۔۔۔ کیا وہ کوئی مافوق الفطرت ہستی تھی۔۔۔؟

نہیں یہ بھی غَلَط ہے۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ اِس طرح خاموش کیوں کھڑا رہتا۔ کیا ایک سیاہ چادر اور رات کی تاریکی انہیں اس کی نظروں سے چھپا سکتی ہے؟ پھر۔۔۔ آخر وہ کیا تھا؟ آدمیوں کی طرح اس کی دو ٹانگیں تھیں جن سے وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا۔۔۔ دو ہاتھ تھے اور شانوں پر سر۔۔۔ فریدی نے چادر سے سر نکالا اور اس عجیب الخلقت آدمی نے ایک قدم بڑھایا۔۔۔ فریدی نے جلدی سے منہ اوڑھ لیا۔۔۔ اس کا وہ پیر اٹھا ہی رہ گیا۔ اب وہ ایک پیر اٹھائے بے حس و حرکت کھڑا تھا۔۔۔ فریدی نے آہستہ سے سیٹی بجائی۔۔۔ لیکن اس کا بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی حالت میں کھڑا رہا۔

"دیکھو۔۔۔! خبردار تمہارے جسم کا کوئی حصّہ چادر کے باہر نہ نکلنے پائے۔" فریدی نے کہا۔ حمید کی گِھگّھی بندھ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ سب کُچھ سُن رہا تھا۔ اس نے چادر کے کونے چاروں طرف سے اپنے جسم کے نیچے دبا لیے۔۔۔ دفعتاً ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا۔۔۔

"ہوشیار رہنا۔۔۔ چادر اُڑنے نہ پائے۔" فریدی نے پھر کہا۔ "ورنہ ہمارا بھی وہی

حشر ہو گا جو علی فضیل کا ہوا تھا۔"

ہوا کے جھکڑ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتے جا رہے تھے۔ فریدی برابر کہے جا رہا تھا۔ "چادر کو مضبوطی سے دبائے رکھو۔"

وہ لمبا تڑنگا آدمی اپنی ایک ٹانگ اٹھائے ہوئے اب تک اسی طرح کھڑا تھا۔۔۔ تھوڑی دیر بعد ہوا کے جھونکے ختم ہو گئے۔ اس نے جست لگائی اور فضا میں تیرتا ہوا سمندر کی طرف واپس چلا گیا۔

"چپ چاپ لیٹے رہو۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔ "چادر ہٹنے نہ پائے۔"

اور پھر کُچھ دیر بعد قریب کے ٹیلوں کے درمیان ٹارچ کی روشنی نظر آئی اور ایک چہرہ ابھرا۔۔۔ یہ سر بنتھال تھا۔ وہ ٹیلے کی اوٹ سے سر نکالے ٹارچ کی روشنی اِدھر اُدھر ڈال رہا تھا۔

"یہ اب زندہ نہ چھوڑے گا۔۔۔ کاش میرا نشانہ خطا نہ کرے۔" فریدی نے آہستہ سے کہا اور ریوالور نکال کر فائر کر دیا۔۔۔ گولی ٹھیک نشانہ پر لگی اور سر

بنتھال چیخ مار کر اُلٹ گیا۔

"اب نکل چلو۔۔۔!" فریدی نے اُٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ دونوں پوری قوّت سے قصبے کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ایک جگہ حمید نے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا۔۔۔ فریدی نے رُک کر اُسے اٹھایا۔۔۔ لیکن شاید حمید کے پیر کی ہڈّی ٹوٹ گئی تھی۔ فریدی نے اسے کاندھے پر لادا اور پھر دوڑنا شروع کر دیا۔۔۔ قصبے میں داخل ہوتے ہوتے اچانک آندھی آ گئی۔۔۔ آندھی تھی یا قیامت۔ جھونپڑوں کی چھتیں اڑنے لگیں۔۔۔ کمزور دیواریں گرنے لگیں۔۔۔ ہر طرف شور قیامت برپا تھا۔ کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ کئی جگہ آگ لگ گئی۔۔۔ نہ جانے کتنے ہی آدمی گرتی ہوئی دیواروں کے نیچے دبے چیخ رہے تھے۔ آندھی تھی کہ لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جارہی تھی۔

فریدی کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ بھی اب اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے گا۔۔۔ وہ قصبے سے نکل کر پھر جنگل کی طرف بھاگا۔۔۔ کئی درخت جڑ سے اکھڑ گئے تھے۔۔۔ اس نے اس طرف آکر غَلَطی کی تھی۔ وہاں سے وہ اس لیے بھاگا تھا کہ کہیں مکان

کی دیوار نہ آ رہے۔ لیکن یہاں درختوں کے نیچے دب کر مر جانے کا خطرہ تھا۔۔۔ پھر بھی شاید قدرت اس پر مہربان تھی۔ جیسے ہی اس نے راستہ دیکھنے کے لیے ٹارچ جلائی اسے ایک غار دکھائی دے گیا۔ دوسرے لمحے میں وہ حمید سمیت غار کے اندر تھا۔ حمید تکلیف کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا تھا۔۔۔ فریدی نے اُسے ایک طرف لِٹا دیا۔ شور ہو رہا تھا آندھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ فریدی پھر لوٹ کر حمید کے قریب آیا۔۔۔ اور جھک کر اُس کی ٹانگیں دیکھنے لگا۔۔۔ یہ دیکھ کر اُسے اطمینان ہوا کہ ہڈّی ٹوٹی نہیں بلکہ پیر میں موچ آ گئی ہے۔ اُس کے داہنے پنجے میں خاصا ورم تھا۔۔۔ خود اس نے اس کا جوتا اُتارا اور تھوڑی دیر مالش کرنے کے بعد پیر میں رومال باندھ دیا۔ حمید ابھی تک بے ہوش تھا۔۔۔ فریدی پھر غار کے دہانے کے قریب آیا۔ آندھی تھم گئی تھی۔ لیکن قصبے کا شور بدستور قائم تھا۔

خطرناک تجربہ

دوسرے دِن دوپہر کو قصبے میں سرکاری مدد پہنچ گئی اور فریدی حمید کو لے کر پھر شہر واپس آ گیا۔ اخبارات میں کلباش کی اِس ٹریجڈی کی خبر شائع ہوئی تھی۔ بیس آدمی ہلاک اور پچھتر زخمی۔۔۔ اٹھارہ پُختہ مکان منہدم ہو گئے تھے اور جھونپڑا تو ایک بھی نہ بچ سکا تھا۔ اس بار بھی موسمیات کے ماہرین نے اُسے سائیکلون ہی قرار دیا۔ البتّہ قصبے کے لوگ اس کلب الشیاطیف کی برہمی سے تعبیر کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس میں بسنے والی خبیث روحیں وہاں قصبے کی بجائے ویرانہ چاہتی ہیں۔

حمید کا پیر مختصر سی طبّی امداد سے ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی وہ درد کی وجہ سے نقل و حرکت سے محروم تھا۔ اس رات کی خوفناک یاد اب تک بھی اس کے ذہن پر مسلط تھی۔ وہ زیادہ تر خاموش رہنے لگا تھا۔ اس کے برخلاف فریدی کی حالت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی کی طرح سوچتا، ہنستا، مُسکراتا اور بات بات پر حمید کا مضحکہ اڑاتا رہتا تھا۔ لیکن اس دوران میں وہ کوئی کام کرتا رہتا تھا۔ حمید اسے اس کی حماقت اور خلل دماغی پر معمول کرنے کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں پہنا سکا۔ فریدی نے کپڑے کے دو قدِ آدم مجسّمے تیّار کئے تھے۔ ایک پر اس نے سیاہ ریشمی چادر کا غلاف چڑھا دیا اور دوسرے کو یونہی رہنے دیا۔ لیکن وہ بھی تھا تو کالا لیکن سوتی کپڑے کا۔۔۔ آخر ایک دِن حمید پوچھ ہی بیٹھا۔

''آخر یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ پر بھی کسی خبیث روح کا سایہ ہو گیا ہے۔''

''نہیں میں ان خبیث روحوں کو گرفتار کرنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔'' فریدی نے کہا۔

”تو گویا اب بھی آپ ان کے وجود سے منکر ہیں۔“

”اگر سر بنتھال کی لاش غائب نہ ہو گئی ہوتی تو میں ضرور قائل ہو جاتا۔“

”بھلا اس میں کون سا نکتہ ہے۔“حمید نے پوچھا۔

”یہی کہ بھُوتوں نے اس کی لاش غائب کیوں کر دی اور وہ وہاں اس وقت کیا کر رہا تھا۔“

”مُمکن ہے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح اس کا راز جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔“حمید نے کہا۔

”اگر ایسا ہے تو اس لمبے تڑنگے بھُوت نے اس کا تعاقب کیوں نہیں کیا؟“

حمید خاموش ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی کردار کا غازی ہونے کے ساتھ ہی ساتھ گفتار کا بھی غازی ہے۔

”اور پھر وہ بھُوت ہمیں پکڑ کیوں نہیں پاتا۔ ہم نے دو ریشمی چادریں اوڑھ لی۔

ظاہر ہے کہ اِن چادروں پر نہ تو نقشِ سلیمانی بنا تھا اور نہ ہی وہ کسی عامل کا عطیہ تھیں۔ میں نے انہیں محض لباس شب روی کے طور پر استعمال کرنے کے لیے خریدا تھا اور پھر تمہیں یاد ہو گا میرے منہ کھولنے پر اس نے ایک قدم اٹھایا تھا۔۔۔ جو منہ ڈھانک لینے کے بعد بدستور اٹھا ہی رہا۔۔۔ اس سے کیا سمجھتے ہو۔"

حمید نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ یہ مسئلہ اس کی اُلجھن کا باعث بھی بن چکا تھا۔ لیکن اس اُلجھن نے کسی واضح خیال کی طرف اس کی رہنمائی نہیں کی۔

"تو کیا آپ پھر اُدھر جانے کا قصد رکھتے ہیں؟" حمید نے پوچھا۔

"تم جانتے ہو کہ میں کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا۔" فریدی نے کہا اور کُچھ سوچنے لگا۔ پھر مُسکرا کر بولا۔ "اگر تم واقعی خوفزدہ ہو تو میں تمہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر مجبور نہیں کروں گا۔"

"آپ تو خواہ مخواہ بدگمان ہو جاتے ہیں۔" حمید جھنجھلا کر بولا۔ "مُجھے آپ کی بھی زندگی عزیز ہے۔۔۔ کیوں نہ اس معاملے میں یہاں کے حکام کی بھی مدد لی

جائے۔“

”ابھی نہیں۔۔۔ اپنے اطمینان کے لیے میں ایک تجربہ اور کرنا چاہتا ہوں۔“

فریدی نے کہا۔

”کب۔۔۔!“

”آج ہی۔۔۔!“

”میرا پیر تو ٹھیک ہو جانے دیجیے۔“

”نہیں میں تمہیں نہ لے جاؤں گا۔“ فریدی نے کہا۔

”کیوں۔۔۔!“

”ممکن ہے کہ تمہیں سنبھالنے میں خود میں ہی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔“

”بہر حال میں آپ کو تنہا نہیں جانے دوں گا۔۔۔!“

”نہیں بھئی تم سمجھتے نہیں ہو۔“ فریدی نے اُکتا کر کہا۔ ”میں اِس لیے ایسا نہیں کر

رہا کہ تم ڈرتے ہو۔۔۔ حالانکہ یہ بھی غَلَط ہے کہ تم ڈرپوک ہو۔۔۔ وہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اچھّے سے اچھّے سورما کے پیر اُکھڑ جاتے۔۔۔!"

"پھر آخر آپ مُجھے کیوں نہیں لے جانا چاہتے۔" حمید نے پوچھا۔

"مُمکن ہے اس بار اور زیادہ بدحواسی کے عالم میں بھاگنا پڑے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔۔۔ ایسے معاملات میں تنہا آدمی اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔"

حمید نے بہت کوشش کی کہ فریدی کو اس ارادے سے باز رکھے لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر اس کا انجام کیا ہو گا۔ کیا اس بار فریدی کی دلیری کام آسکے گی؟ کیا وہ ایک ایسی قوّت کا مقابلہ کر سکے گا جو انسانی دسترس سے باہر ہے؟ کہیں یہ اس کا آخری کارنامہ تو نہیں؟

فریدی اُسی دِن شام کو قاہرہ سے کلب الشیاطیف کے علاقے کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رات حمید نے بڑے کرب اور بے چینی کے ساتھ گذاری، رات بھر وہ سو

نہ سکا۔۔۔ صُبح دس بجے تک وہ فریدی کا انتظار کرتا رہا۔۔۔ اور پھر اچانک اس کا اضطراب بڑھ گیا۔ فریدی نے گیارہ بجے تک لوٹ آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن بارہ بج گئے اور اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ حمید کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔۔۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ بھی کسی نہ کسی طرح کلب الشیاطیف کے علاقے میں پہنچنے کی کوشش کرے لیکن اگر علی فضیل ہی کی طرح فریدی بھی۔۔۔ اس کے آگے سوچنے کی ہمّت نہ پڑی اور اس کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ وہ باہر جانے کے لیے اٹھا ہی تھا کہ برآمدے میں قدموں کی آہٹ سُنائی دی اور فریدی مُسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے بغل میں ایک بڑا سا بنڈل دبا ہوا تھا جسے اس نے فرش پر ڈال دیا۔۔۔

"بھئی بہت تھک گیا ہوں۔" وہ ایک کرسی پر گرتا ہوا بولا۔ "ذرا ہیڈ ویٹر کو کافی کیلیئے فون کر دو۔"

حمید اُٹھ کر لنگڑاتا ہوا فون کی طرف گیا اور فریدی جوتے اتار کر کرسی پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

”یہ بتایئے خیریت ہے نا۔۔۔؟“حمید نے پوچھا۔

”ہاں! آں۔۔۔ سب خیریت ہے۔۔۔ اور خیر و عافیت تمہاری خداوند کریم سے نیک مطلوب ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔۔۔ اور کوئی خاص بات نہیں۔۔۔ بچّوں کو آداب اور بزرگوں کو پیار۔۔۔ فقط قانون گو نہیں دُعا گو۔۔۔!“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ تجربہ کامیاب رہا۔“حمید ہنس کر بولا۔”کیا سر پر رکھنے کے لیے تھوڑی برف بھی منگوالوں؟“

”اے ہے پاندان کیا ہوا تمہارا۔“فریدی نے مُسکرا کر پوچھا۔

”کیا مطلب۔۔۔!“

”بخدا تُم نے اِس وقت کسی کلرک کی بیوی کی طرح خیریت پوچھی تھی۔ جو بے چاری دِن بھر شوہر کے انتظار میں بیٹھی چھالیہ کُترتی رہتی ہے اور اس کی آمد پر جمائی لیتی ہوئی میز پر سروتا رکھ کر اس کی خیریت پوچھتی ہے۔“

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا آدھ اسکرو ضرور ڈھیلا ہو گیا ہے۔" حمید جھینپ کر بولا۔

"خیر معلوم ہوا کہ تم بڑے گاؤدی ہو گئے ہو۔" فریدی نے کہا۔ "مُجھے اس سے بہتر جملے کی توقع تھی۔"

تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔ فریدی نے دو تین گھونٹ لینے کے بعد سِگار سلگایا۔

"ہاں تو بھئی تجربہ کامیاب رہا اور دلچسپ بھی۔" فریدی نے کہا۔ "میں نے ٹیکسی قصبے کے باہر ہی چھوڑ دی تھی اور ان دونوں مجسّموں کو لے کر ساحل کی طرف روانہ ہو گیا۔۔۔ کنارے پر کھڑے ہوئے مُجھے دس پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ اُس کُتّے کے مُنہ میں پھر وہی روشنی دِکھائی دی اور وہ دیو پیکر اُس میں سے نکل کر میری طرف جھپٹا۔۔۔ میں نے بھاگنا شروع کیا۔ وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر میں سیاہ چادر اوڑھ کر لیٹ گیا اور وہ میرے قریب ہی آ کر رُک گیا۔ پھر میں نے وہ مجسّمہ اُس کے سامنے پھینک دیا۔ جو سوتی کپڑے کا تھا۔ وہ حیرت انگیز پھرتی

کے ساتھ جھکا اور مجسّمے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیں۔۔۔ اُف کتنی درندگی تھی۔۔۔ اُس وقت بھی میں اس تصویر سے کانپ اٹھا تھا۔"

فریدی نے بکس کھول کر اُس مجسّمے کے دونوں ٹکڑے نکالے اور حمید کے سامنے ڈال دیے۔

"اِسی طرح اُس نے علی فضیل کی ٹانگیں چیر دی تھیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"ہاں تو میں نے وہ مجسّمہ بھی اُس کے سامنے ڈال دیا جس پر ریشمی غلاف چڑھایا تھا لیکن وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ جیسے اندھا ہو گیا ہو۔۔۔ اس نے اس مجسّمے کو ہاتھ تک نہ لگایا۔۔۔ اس سے تم کیا سمجھتے ہو؟"

"میں تو کُچھ بھی نہیں سمجھ سکا۔" حمید نے اس سے کہا۔

"خیر، خیر میں بھی ابھی اس مسئلے پر روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ لیکن میں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ غَلَط نہیں ہو سکتا۔ ہاں تو پھر میں نے اس مجسّمے کو چادر کے اندر کھینچ لیا۔ وہ قطعی بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے جست لگائی

اور پھر کُتّے کے منہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے جلدی جلدی مجسّمے پر کاریشمی غلاف اُتارا اور اپنے جسم پر اس طرح منڈھ لیا کہ کوئی حصّہ کھلا نہ رہے اور پھر میں ساحل کی طرف آیا۔۔۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک کھڑا رہا لیکن کوئی نیا حادثہ پیش نہیں آیا۔۔۔ کہو اب کیا کہتے ہو۔۔۔؟"

"یعنی وہ خبیث روحیں ریشم سے ڈرتی ہیں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں بلکہ اُس کُتّے کے پیٹ میں بیٹھی خبیث شخصیت کو ریشم دِکھائی نہیں دیتا۔" فریدی بولا۔

"میں پھر نہیں سمجھا۔"

"بہت جلد سمجھ جاؤ گے۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن اطمینان رکھو وہ کوئی آسیبی خلل نہیں ہے۔۔۔ ہماری تمہاری جیتی جاگتی دُنیا کی بات ہے۔"

"پتہ نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" حمید اُکتا کر بولا۔

"میں جو کُچھ کہہ رہا ہوں تمہیں قریب سے دِکھاؤں گا۔" فریدی نے کہا۔ "ذرا

فون کر کے کافی اور منگواؤ۔"

حمید نے پھر اُٹھ کر فون کیا۔

"لیکن آپ اِس وقت تک مجھے اُلجھن میں ڈالے رہیں گے۔" حمید نے کہا۔

"اِس میں اُلجھن کی کوئی بات نہیں۔۔۔ میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیے۔ اب تم خود غور کر کے اِس معمّے کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ کوئی مشکل بات نہیں، کوشش کرو۔"

فریدی نے کہا اور آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ حمید بھی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کتے کے پیٹ میں

دوسرے دِن فریدی مِصر کے سُراغ رسانی کے دفتر میں بیٹھا محکمے کے ڈائریکٹر ضرغام پاشا سے گفتگو کر رہا تھا۔

"مسٹر فریدی مُجھے افسوس ہے کہ ہم آپ کی مدد نہ کر سکیں گے۔" پاشا نے کہا۔

"لیکن میرے ملک کی حکومت نے آپ کی حکومت سے درخواست کی ہے۔ آپ کو براہِ راست اس کے لیے احکامات مل چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" پاشا بولا۔ "مُجھے اِس سے کب انکار ہے۔۔۔ آپ اس شخص کا پتہ

نشان بتایئے، جو آپ کی حکومت کا مُجرم ہے۔ ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے حوالے کر دیں گے۔ لیکن کلب الشیاطیف والا واقعہ خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔"

"لیکن میں نے جو کُچھ آپ کو بتایا ہے اسے خواب نہیں کہا جا سکتا۔" فریدی نے کہا۔

"ممکن ہے آپ درست کہتے ہوں۔" پاشا نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ فریدی سمجھ گیا کہ وہ اس سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ وہ وہاں سے ناکام لوٹا۔ لیکن اس نے ہمّت نہ ہاری تھی۔ اب اس نے اپنی حکومت کے سفارت خانہ کا رُخ کیا۔ سفیر اُس سے اُس کے کارناموں کی بناء پر اچھّی طرح واقف تھا اور اسے حکومت کی طرف سے پہلے ہی فریدی کی ہر ممکن امداد کے لیے ہدایات مل چکی تھیں۔ اس نے فریدی سے وعدہ کیا کہ وہ قاہرہ کے پولیس کمشنر سے اس مسئلے پر گفتگو کرے گا۔

پھر دو دِن بعد اسے اِطّلاع ملی کہ پولیس کمشنر بھی تضیع اوقات کے لیے تیّار

نہیں۔ اُس کے خیال کے مطابق عملہ کا کوئی آدمی کلب الشیاطیف کے اندر گھُسنے کی ہمّت نہیں کرے گا۔۔۔ آخر فریدی نے فیصلہ کیا کہ وہ بذاتِ خود پولیس کمشنر سے ملاقات کرے گا۔ لیکن اس کی یہ کوشش بھی بار آور ثابت نہ ہوئی۔۔۔ پولیس کمشنر نے اُسے بتایا کہ آسیبی خلل سے قطع نظر کر کے بھی کوئی اس میں جانا پسند نہ کرے گا۔ اس نے بھی فریدی کے قائم کردہ خیالات کا مضحکہ اڑایا۔

اور پھر فریدی کو اپنی ہی قوّتِ بازو پر بھروسہ کرنا پڑا۔۔۔ اُس نے چھوٹی سی ربڑ کی کشتی خریدی اور اس پر ریشم کا ایسا لباس تیّار کرایا جس سے جسم کا کوئی حصّہ کھلا نہ رہ سکے۔۔۔ آنکھوں کے حصّوں پر ریشم ہی کی باریک جالی لگوائی۔

حمید اِن سب تیّاریوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ وہ اچھّی طرح سمجھ چکا تھا کہ یہ ان کا آخری کارنامہ ہے۔

لیکن وہ فریدی کی مخالفت نہیں کر سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اُس نے اِس سِلسِلے میں ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو فریدی اکیلا ہی چلا جائے گا اور یہ چیز اُسے کسی طرح گوارا

نہ تھی۔ اس دوران میں وہ کئی ہوٹل تبدیل کر چکے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں مجرم اُن کا سراغ لگا کر انہیں اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کریں۔ فریدی نے اس رات سر بنتھال کے ساتھ پانچ آدمی دیکھے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ مجموعی طور پر ان کی اتنی ہی تعداد ہونی ضروری نہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ خطرہ مول لینے پر تیّار تھا۔

حمید کا پیر ٹھیک ہو گیا تھا۔ اور وہ اس قابل ہو گیا تھا کہ ہوٹل سے نکل کر بازار تک جاسکے۔

آج جب وہ بازار سے واپس آیا اس کے ہاتھ میں چار مقامی اخبار تھے، حمید نے انہیں فریدی کے سامنے ڈال دیا۔

"کلب الشیاطیف کا دوسرا اعجوبہ۔" حمید نے آہستہ سے کہا۔

"بیان کرتے چلو۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ انہیں پڑھ سکوں۔"

"کلباش کے رہے سہے دیہاتیوں نے بھی قصبہ چھوڑ دیا۔" حمید نے کہا۔ "کل رات ساحل پر قصبے کے آدمیوں نے چار طویل القامت آدمیوں کو آپس میں تلوار چلاتے دیکھا۔ اُن کا بیان ہے کہ اِن آدمیوں کی لمبائی دس فٹ سے کم نہیں تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح لڑتے رہے پھر اُڑتے ہوئے کلب الشیاطیف کی طرف چلے گئے۔ دیکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ اس پتھریلے کُتّے کے منہ میں گھُس کر غائب ہو گئے تھے اور پھر اس کُتّے کے دہانے سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔۔۔ اب پورا شہر ویران ہے۔ کل ہی رات کو وہاں کی بچی کھچی آبادی شہر کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔"

"آگے کہو۔" فریدی بولا۔

"اور کوئی بات نہیں۔"

"اس واقعہ کے متعلّق یہاں کے اخبارات اور حکام کا کیا خیال ہے؟" فریدی نے پوچھا۔

"دیہاتیوں کی توہم پرستی۔" حمید نے کہا۔ "حکام نے دیہاتیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ قصبے کی طرف لوٹ جائیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" فریدی طنزیہ انداز میں بولا۔ "یہاں کی حکومت متمدّن دُنیا کے لیے ایک مُستقل خطرہ پال رہی ہے۔ محکمہ موسمیات اور اراضیات کی عقل نہ جانے کہاں چرنے گئی ہے۔۔۔ اس حصّے کی جغرافیائی حالت قطعی ایسی نہیں کہ یہاں سائیکلون آسکیں۔۔۔ خیر دیکھا جائے گا۔۔۔ دیکھا جائے گا۔"

فریدی اُٹھ کر بے تابانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔

"میں ایک بار پھر آپ کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کروں گا۔" حمید نے کہا۔

"مشکل ہے۔" فریدی پلٹ کر بولا۔ "میں سب کُچھ سمجھ چکا ہوں۔۔۔ میں کلب الشیاطیف پر اسی طرح جھپٹنا چاہتا ہوں جیسے ایک شرابی عرصہ تک شراب نہ ملنے کے بعد بوتل پر جھپٹتا ہے۔ میں اب انتظار نہیں کر سکتا۔۔۔ اگر تم نہیں جانا

چاہتے تو میں تنہا جاؤں گا۔"

"آپ پھر میرا مطلب غَلَط سمجھے۔۔۔ میں تو۔۔۔!"

"میں کُچھ نہیں سُننا چاہتا۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔

حمید خاموش ہو گیا۔۔۔ وہ جانتا تھا کہ اب ساری کوششیں بیکار ہیں۔

اسی شام کو وہ دونوں کلباش کی طرف روانہ ہو گئے۔ فریدی نے سارا ضروری سامان ساتھ لے لیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور پر انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ کسی اخبار کے نامہ نگار ہیں۔ ٹیکسی انہوں نے ویران حصّے سے آدھ میل ادھر ہی چھوڑ دی۔

تاریکی پھیل گئی تھی۔ وہ قصبے کے ایک ویران مکان میں گھُس گئے۔ یہاں چاروں طرف سنّاٹا تھا۔ گاؤں میں ایک متنفّس بھی نہیں رہ گیا۔ سائیں سائیں کرتی ہوئی سیاہ رات نے قصبے کی ویرانی میں اور اضافہ کر دیا تھا۔ کبھی کبھی کُتّوں کے بھونکنے کی آواز خاموشی کے اتھاہ ساگر میں ہلکورے پیدا کر کے کہیں غائب ہو جاتی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ تُم خائف نہیں ہو۔“ فریدی نے حمید سے کہا۔

”قطعی نہیں! بشرطیکہ اپنے جیسے انسانوں سے مقابلہ کرنا پڑے۔“

”مطمئن رہو۔۔۔ اس کے آگے تمہیں سوچنا نہ چاہئے۔“

”اوہ۔۔۔ آپ تو مُجھے اس طرح بہلا رہے ہیں جیسے میں اس طویل القامت دیو کو دیکھا ہی نہ ہو۔“

”گھبراؤ نہیں۔۔۔ آج رات اُس سے مُقابلہ کی توقع نہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”خیر دیکھا جائے گا۔“ حمید نے اُکتا کر کہا۔

ایک گھنٹے کے بعد ساری تیّاریاں مکمل کر لینے کے بعد وہ ساحل پر کھڑے تھے۔ کافی عرصہ گزر گیا۔ لیکن کلب الشیاطیف کی خاموشی میں فرق نہیں آیا۔ حمید کو فریدی کی پیشین گوئی پر حیرت ہونے لگی اور فریدی نے ربڑ کی کشتی سمندر میں ڈال دی۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ کلب الشیاطیف کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔۔ حمید کی نظریں کُتّے کے پھیلے ہوئے دہانے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کیا

واقعی یہ سیاہ ریشم کا لباس سحر زدہ ہے اور پھر ان کی کشتی چٹّانوں کے سِلسِلے سے ٹکرائی۔

فریدی کگار پکڑ کر اوپر چڑھ گیا۔ حمید نے بھی اس کی تقلید کی اور اس کے بعد کشتی اوپر کھینچ لی گئی۔

حمید چٹّانوں پر قدم رکھتے ہی لرز اٹھا۔ یہاں کا پُر اسرار سنّاٹا مِصر قدیم کے خوفناک جادُوگروں کی یاد دِلانے لگا۔ اور وہ مقبرے بھی یاد آئے جن میں ہزاروں سال سے انسانی لاشیں محفوظ تھیں۔ محض اس اُمّید پر کہ ایک دِن ان کی بھٹکتی ہوئی روحیں اپنے جسموں میں لوٹ آئیں گی۔

چٹانوں کا سِلسِلہ تقریباً دو تین فرلانگ تک چلا گیا تھا۔ جس چٹان پر یہ لوگ کھڑے تھے کلب الشیاطیف کا ایک حصّہ تھا۔ فریدی نے جیب سے ٹارچ نکالی اور آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنے لگا۔

پندرہ بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد بھی وہ کوئی ایسا راستہ نہ معلوم کر سکے جس کے

ذریعہ اندر پہنچ سکتے۔ پھر انہوں نے دوسری راہ اختیار کی۔ فریدی عین کُتّے کے سر کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا۔ جس کی اونچائی چالیس فِٹ سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ حمید پر ایک بار پھر ہیبت طاری ہو گئی۔ خود فریدی نے بھی ایک بار جھر جھری سی لی۔

اُدھر بھی کسی طرف سے کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ اس دقّت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ فریدی اپنی ٹارچ کا آزادانہ استعمال نہیں کر رہا تھا۔۔۔ دفعتاً وہ داہنے طرف کے نشیب میں اتر گیا۔

حمید نے بھی اُس کی تقلید کی۔۔۔ ادھر چٹان کا پھیلاؤ زیادہ تھا۔ ایک جگہ اچانک فریدی رکا اور جھک کر زمین کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نشانات دیکھ رہے ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔ "بھیگے ہوئے پیروں کے نشانات۔"

اور وہ آہستہ آہستہ نشانات کے ساتھ آگے بڑھنے لگا اور پھر ایک بار کُتّے کی

گردن سے قریب پہنچ گئے۔ یہاں آکر پیروں کے نشانات غائب ہوگئے۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی۔ اُسے غَلَط فہمی ہوئی تھی۔ پیروں کے نشانات یہاں غائب نہیں ہوئے تھے بلکہ چند اُبھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھّروں پر نظر آرہے تھے۔

"آخر پتھّروں پر چلنے کی کیا ضرورت تھی جب کہ چٹان کا ایک حصّہ سپاٹ اور سطح ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"یہ چیز واقعی دلچسپ ہے۔" حمید بولا۔

فریدی پتھّروں کو دیکھنے لگا۔ ہر ٹکڑے پر پیر کا ایک نشان موجود تھا اور اس کے بعد سطح چٹان پر کوئی نشان نظر نہ آیا۔

"لو بھئی اِس خبیث کا پیٹ تو پھٹ گیا۔" فریدی حمید کی طرف مُڑ کر آہستہ سے بولا۔ اور پھر اس نے اس اچانک نمودار ہونے والے غار کے دہانے میں ٹارچ کی روشنی ڈالی۔ اندر بالکل سنّاٹا تھا اور دہانے کے سِرے سے آٹھ دس زینے تہہ تک

چلے گئے تھے۔ دونوں غار میں بہ آہستگی اتر گئے۔ جیسے ہی انہوں نے فرش پر قدم رکھا اُوپر دہانے کا منہ بند ہو گیا۔

"یہ کیا ہوا؟" حمید اوپر کی طرف دیکھ کر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ٹھہرو۔۔۔!" فریدی نے کہا اور زینوں پر چڑھتا چلا گیا۔ آخری زینہ پر پیر رکھتے ہی دہانہ پھر کھل گیا۔ فریدی لوٹ آیا۔۔۔ اور دہانہ بند ہو گیا۔

"غضب کی کاری گری ہے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ بھُوت اس وقت کہاں سو رہے ہیں؟" حمید نے کہا۔

"وہ مطمئن ہیں کہ کوئی اُن تک پہنچنے کی ہمّت نہ کر سکے گا۔" فریدی نے کہا۔

"پھر ہم انہیں قطعی نہ دِکھائی دیتے ہوں گے۔"

"ہم نے جادوئی لباس جو پہن رکھا ہے۔" فریدی ہنس کر بولا۔

”معلوم نہیں کہ آپ کے ذہن میں کیا ہے۔“حمید نے کہا۔

”جو کُچھ ہے ابھی سامنے آجاتا ہے۔“فریدی نے کہا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ وہ ایک کمرے میں کھڑے تھے جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا دم گھٹنے لگا اور وہ پھر زینوں پر چڑھ گئے۔۔۔ غار کا دہانہ کھُل جانے کی وجہ سے انہیں اس گھٹن سے نجات ملی۔ فریدی نے پھر ٹارچ کی روشنی میں اس کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا اس کی نظریں سامنے کی دیوار سے زینوں پر پڑیں۔ یہ تین الگ الگ سیڑھیاں تھیں جن کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

”ذرا اِن زینوں کو دیکھو۔“فریدی بولا۔”بھلا اِن تین زینوں کا کیا مطلب ہے اور یہ بھی سوچو کہ اِن کے سِرے پر دروازے بھی نہیں ہیں۔ پھر اِن کا کیا مقصد ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ حمید ذرا پہلے زینے کی سیڑھیاں تو گنو۔“

”نو ہیں۔“حمید بولا۔”دوسرے میں سات اور تیسرے میں پانچ ہیں۔“

"اچھّاتو وہ رومال والا عدد کیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"نو سو پچھتر۔۔۔!" حمید نے کہا۔ "نو سو پچھتر نہ کہو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "بلکہ نو۔ سات۔ پانچ کہو۔۔۔ لو بھئی نو سو پچھتر کا مسئلہ بھی چٹکی بجاتے حل ہو گیا۔۔۔ قدرت کُچھ مہربان معلوم ہوتی ہے۔"

"اچھّا تم یہیں ٹھہرو تاکہ دہانہ کھلا رہے۔۔۔ میں ذرا ان زینوں کو دیکھتا ہوں۔" وہ آخری زینے پر سے نیچے کود پڑا۔۔۔ اب وہ سامنے والی دیوار کے زینوں کا جائزہ لے رہا تھا۔۔۔ پہلے وہ نو سیڑھیوں والے زینے پر چڑھا۔۔۔ پھر اس پر سے ہو کر سات سیڑھیوں والے زینوں سے گزرتا ہوا نیچے اتر آیا۔۔۔ اور پانچ سیڑھیوں والے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی وہ آخری سیڑھی پر پہنچا دیوار کا ایک حصّہ ایک طرف ہٹ گیا اور دوسری طرف عجیب قسم کی گڑگڑاہٹ کی آواز سُنائی دینے لگی۔ فریدی نے حمید کو اشارے سے بلایا۔۔۔ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہاں بالکل تاریکی تھی۔ فریدی نے ٹارچ روشن کی اور آگے بڑھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی ہے؟" حمید نے پوچھا۔

"کسی مشین کی ہے۔" فریدی نے کہا۔

"مشین۔۔۔!" حمید چونک کر بولا۔

"ہاں ہاں خاموشی سے چلے آؤ۔" فریدی نے کہا۔ وہ ایک تنگ و تاریک راستے سے گزر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے کھڑے تھے جس کے دروازے پر سیاہ پردہ پڑا تھا اور روشن دان سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ دونوں بہ آہستگی دروازے سے ہٹ کر ایک کنارے کھڑے ہو گئے۔ فریدی نے روشن دان سے جھانک کر دیکھا۔ اندر چار آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ ان میں ایک بُوڑھا تھا جس کے چہرے پر گھنی اور سفید ڈاڑھی تھی۔۔۔ چاروں یوروپئین معلوم ہوتے تھے۔ فریدی نے حمید کو قریب آنے کا اشارہ کیا۔ "دیکھا تُم نے۔۔۔ یہ ہیں تمہارے بھُوت۔۔۔ اِس بُوڑھے کو پہچانتے ہو۔۔۔ کہیں تصویر تو دیکھی ہی ہو گی؟"

"میں نہیں پہچانتا۔۔۔ لیکن۔۔۔!"

"ٹھہرو۔۔۔!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "اُس طرف داہنے کونے میں دیکھو۔"

حمید لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

"ارے یہ تو۔۔۔ وہی۔۔۔!"

"لیکن ڈرو نہیں۔۔۔ یہ اس وقت بالکل بے جان ہیں۔" فریدی نے کہا اور جیب سے ریوالور نکال لیا۔ حمید نے بھی اپنے ریوالور کا دستہ مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"یہ بُوڑھا جرمنی کا مشہور سائنس دان ولیمن ہے، جو ہٹلر کی موت کے بعد پُراسرار طریقے پر غائب ہو گیا تھا۔۔۔ اور اب یہ یہاں اس ویرانے میں کسی نئے تباہ کن ہتھیار کا تجربہ کر رہا ہے۔۔۔ خیر آؤ۔۔۔ لیکن ہوشیاری سے۔"

فریدی پردہ اُٹھا کر کمرے میں داخل ہو گیا۔۔۔ وہ چاروں اسے دیکھتے ہی بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہینڈز اپ۔۔۔!" فریدی گرج کر بولا۔ "اگر کوئی اپنی جگہ سے ہلا تو شوٹ کر دوں گا۔"

چاروں نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اُن دونوں سیاہ پوشوں کو دیکھ رہے تھے۔ "تم کون ہو۔۔۔!" بُوڑھا سائنس دان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"تمہاری مشینی آندھی کے شکار دو دیہاتیوں کے بھُوت۔" فریدی قہقہہ لگا کر بولا۔ "جن کی اطلاع تمہارا ٹیلی ویژن سیٹ بھی نہ دے سکا۔"

بُوڑھا آہستہ آہستہ دیوار کے قریب رکھی ہوئی ایک مشین کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس مشین میں ایک شیشہ لگا ہوا تھا۔ جس میں پورا ساحل کا علاقہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حمید متحیّر تھا کہ آخر اس بند کمرے میں رکھی ہوئی مشین میں باہر کے مناظر کس طرح دِکھائی دے رہے ہیں اور پھر چند لمحوں کے بعد سارا معمّہ حل ہو گیا۔۔۔ اسی مشین کے ذریعہ وہ ساحل پر لوگوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لیا

کرتے تھے۔۔۔ فریدی بوڑھے کی حرکت دیکھ رہا تھا۔۔۔ اس نے پستول گھما کر مشین کے شیشے پر گولی چلادی۔ شیشہ ایک چھنّاکے کے ساتھ ٹوٹ گیا۔۔۔ بُوڑھا چیخ مار کر فریدی کی طرف جھپٹا۔۔۔ فریدی کے پستول سے پھر ایک شعلہ نکلا اور بوڑھا اُچھل کر دیوار سے ٹِک گیا۔۔۔ اس کے مُنہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔ اس کا ایک پیر زخمی ہو گیا تھا۔

”حمید اِن تینوں کے ہاتھ پیر جکڑ دو۔۔۔!“ فریدی نے کہا۔ ”اور میں اِس بُوڑھے سے سمجھتا ہوں۔“

فریدی نے حمید کا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک پستول کا رُخ بوڑھے کی طرف تھا اور دوسرے کا ان تینوں آدمیوں کی طرف۔ حمید نے جیب سے پتلی پتلی مضبوط سی ڈوریاں نکالیں اور یکے بعد دیگرے انہیں جکڑنے لگا۔

”کیوں ولمیں وہ رومال کہاں ہے؟“ فریدی نے بُوڑھے سے کہا۔

”میں نے اُسے جلا دیا۔“ ولمیں چیخ کر بولا۔

"بہت خوب! سر بنتھال کی لاش کیا ہوئی؟"

"اوہ تو تُم وہی جاسوس ہو!" ولمیں چیخ کر بولا۔

فریدی نے قہقہہ لگایا۔

"تمہارے وہ دیو پیکر بھُوت یہی ہیں۔" فریدی ایک طرف کھڑے ہوئے چار پانچ لوہے کے مجسّموں کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ولمیں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"کیا تم یہ جانتے تھے کہ تمہاری مشین کی شعاعیں ریشم کے لباس سے نہیں گزر سکتیں؟" فریدی نے پوچھا۔

"ہاں لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ مشرقی سؤر بھی اتنے ذہین ہو سکتے ہیں۔" ولمیں درد سے چیخ کر بولا۔

فریدی نے پھر قہقہہ لگایا۔

"خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ ولمیں۔۔۔ تمہارا یہ عظیم الشّان کارنامہ ہمیشہ کے لیے دفن

ہونے جا رہا ہے۔۔۔ کیا تم مُجھے اپنی اِن تباہ کن مشینوں کے بارے میں کُچھ بتاؤ گے؟" فریدی نے کہا۔

"مشین تُم نے برباد کر دی ہے۔" ولمیں ٹوٹی ہوئی مشین کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "دُنیا کا کوئی سائنسدان اب یہ نہ بتا سکے گا یہ کیسے بنائی گئی تھی۔۔۔ یہی مشین آندھیاں پیدا کرتی تھی۔ یہی مشین اِن لوہے کے آدمیوں کی آنکھ تھی۔ یہ آدمی اِسی اسکیم کے تحت بنے تھے جس کے تحت جرمنی کے مشہور اور خود بخود اُڑنے والے بم اور ہوائی جہاز بنائے گئے تھے۔ ان میں ریڈیائی طریقوں سے قوّتِ عمل پیدا کی جاتی تھی۔ لیکن افسوس کہ یہ اب بے کار ہو چکے ہیں۔۔۔ تم۔۔۔ خبیث۔۔۔ سؤر۔۔۔ تُم نے میرے اِس کارنامے پر خاک ڈال دی جس کے لیے میں نے ساری زندگی وقف کر دی تھی۔۔۔ مُجھے سہارا دے کر اس آرام کرسی تک لے چلو میں تمھیں مرنے سے پہلے کُچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں۔۔۔ مُجھے یہاں سے کوئی قوّت زندہ نہیں لے جا سکتی۔"

بُوڑھے نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے غش آ گیا ہو۔ وہ

گرنے ہی والا تھا کہ فریدی نے آگے بڑھ کر اُسے سنبھال لیا۔۔۔ حمید جو بقیہ تینوں آدمیوں کو باندھ کر زمین پر ڈال چکا تھا۔۔۔ فریدی کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی زمین پر تھا اور اس کے دونوں پستول بُوڑھے ولمیں کے ہاتھوں میں تھے۔

"کیوں سورما اب بتاؤ۔" بوڑھا ولمیں قہقہہ لگا کر بولا۔

"اچھّا تو کیا تم ہمیں یہاں اکیلے سمجھتے ہو؟" فریدی مُسکرا کر بولا۔ "مت بھولو کہ میرے ہی جیسے نہ جانے کتنے سیاہ پوش اِس کُتّے کے پیٹ میں موجود ہیں۔ اس لیے میں نے آتے ہی سب سے پہلے تمہاری مشین برباد کر دی تھی۔۔۔ تم اِس وقت ہم دونوں کو مار سکتے ہو لیکن اس کمرے سے تھوڑی ہی دور کھڑے ہوئے پچاس آدمیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"دیکھا جائے گا۔" ولمیں آہستہ سے بولا۔ "تم اُٹھ کر میرے ساتھیوں کو فوراً کھول دو۔۔۔ ورنہ۔۔۔!"

فریدی آہستہ سے اٹھا۔ ولمیں نے حمید کو بھی اشارہ کیا۔ دونوں بندھے ہوئے آدمیوں کو کھولنے لگے۔ ولمیں دیوار کے قریب جا کر روشن دان سے جھانکنے لگا لیکن وہ فریدی اور حمید کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ فریدی نے چیخنا چاہا۔ "خبر دار۔۔۔!" ولمیں آہستہ سے بولا۔ "اگر منہ سے آواز نکلی تو شوٹ کر دوں گا۔" اُسے باہر کہیں کھڑے ہوئے خیالی آدمیوں کا خوف تھا۔

اس بار جیسے ہی اس نے روشن دان کی طرف منہ پھیرا۔ فریدی نے پھرتی سے ایک آدمی کو اٹھا کر اس پر پھینک مارا۔ دونوں ایک ساتھ زمین پر آرہے۔۔۔ دو فائر ہوئے۔۔۔ اور دو چیخیں کمرے میں گونج اُٹھیں۔ گِرتے گِرتے ولمیں کے ہاتھوں میں دبے ہوئے دونوں پستول چل گئے۔۔۔ فریدی اور حمید اُن کی طرف جھپٹے۔۔۔ ایک پستول کی گولی ولمیں کی ٹھوڑی پھاڑتی ہوئی سر سے نکل گئی تھی اور دوسری اُس کے ساتھی کے سینے سے پار ہو گئی تھی۔

"اوہ یہ تو بہت بُرا ہوا۔۔۔!" فریدی بے ساختہ بولا۔ "میں اِس بُوڑھے کو زندہ گرفتار کرنا چاہتا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ ولمیں کے دو ساتھی زمین

پر بندھے پڑے تھے۔۔۔ وہ ان دونوں کو چیخ چیخ کر گالیاں دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد فریدی اور حمید تہہ خانے کے دوسرے حصّوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ یہاں ان لوگوں نے اچھّا خاصا کارخانہ قائم کر رکھا تھا۔

ایک چھوٹا سا بجلی گھر بھی تھا جس کی قوّت سے مشینیں چلائی جاتی تھیں۔ حمید نے لوہے کے ان قد آور آدمیوں کو قریب سے دیکھا جنہیں وہ بھُوت سمجھے ہوئے تھا۔

"ایک بڑی خوفناک چیز مٹ گئی۔" فریدی نے کہا۔ "ورنہ کسی اگلی جنگ میں یہ لوہے کے آدمی انسانوں کے مُقابلے میں استعمال کئے جاتے۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر ابھی تک حیرت طاری تھی۔ کبھی وہ ان لوہے کے آدمیوں کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی فریدی کی طرف۔

شاید وہ دونوں کا موازنہ کر رہا تھا کہ ان میں زیادہ خوفناک کون ہے۔ فریدی یا وہ لوہے کے بھُوت۔

"افسوس کہ یہ مشین برباد ہو گئی۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن بہت اچھّا ہوا۔ ورنہ کوئی اور اُسے اپنے ناپاک ارادوں کے لیے امن پسند دُنیا کے خلاف استعمال کرتا۔ بہت اچھّا ہوا۔۔۔ بہت اچھّا ہوا۔"

دوسرے دِن کلباش کے علاقہ میں ایک جمِ غفیر لگا ہوا تھا۔ چپّے چپّے پر پولیس اور فوج کے سپاہی نظر آ رہے تھے۔ کلب الشیاطیف کی خبیث روحیں وہاں سے ہٹائی جا رہی تھیں۔ فریدی ساحل پر ایک خیمے میں مِصر کے اعلیٰ حکام سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ انہیں شروع سے ساری داستان سُنا رہا تھا۔

"اور پھر جب میں نے دیکھا کہ ریشمی چادر کے سامنے اس دیو پیکر کی ساری قوّتیں بے کار ہو جاتی ہیں تو میں اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ آدمی کوئی مافوق الفطرت ہستی نہیں بلکہ کسی مشین کا تابع تھا اور اس مشین کی پیدا کردہ شعاعیں ریشم کی سطح سے نہیں ٹکراتیں۔۔۔ اس کے لیے میں نے ایک دوسرا تجربہ کیا۔"

اب فریدی نے انہیں کپڑے کے قد آدم مجسّموں والے تجربہ کے متعلّق بتلایا۔

"واقعی مسٹر فریدی تُم نے امن پسند دُنیا پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔" قاہرہ کا پولیس کمشنر بولا۔ "مُجھے اب افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے تمہارے مشورے پر عمل کیوں نہیں کیا تھا۔ خود میں بھی شرمندہ ہوں۔"

"خیر جو کُچھ بھی ہوا ٹھیک ہوا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا مقصد حل ہو گیا۔"

"اُف میرے خدا۔" ایک آفیسر بولا۔ "ہم لوگ بھی کتنے احمق تھے کہ اِن تباہ کُن آندھیوں کو سائیکلون سمجھتے رہے اور عوام کسی خبیث روح کا کارنامہ۔"

اسی دِن اخباروں کے غیر معمولی شمارے دھڑا دھڑ فروخت ہو رہے تھے۔۔۔ ان میں کلب الشیاطیف کی وارداتوں کے متعلّق خبریں شائع ہوئی تھیں۔ فریدی اور حمید کی کارگزاریوں کو کُچھ اور بھی زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا اور وہ دونوں شام کو ایک گمنام سے ہوٹل میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ اپنے ہوٹل سے وہ ملنے والوں کے خوف سے نکل بھاگے تھے۔ آج صُبح سے آٹوگراف لینے والوں کی کاپیوں پر دستخط کرتے کرتے ان کے ہاتھ دکھنے لگے تھے۔ اخباروں کے نامہ

نگاروں نے الگ تنگ کر رکھا تھا اور پھر انہوں نے جان بچانے کے لیے رہائشی ہوٹل سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا۔

"حمید، ایک چیز مجھے ہمیشہ اُلجھن میں ڈالے رہے گی۔" فریدی نے کہا۔

"وہ کیا۔۔۔؟"

"کلب الشیاطیف۔۔۔!" فریدی آہستہ سے بولا۔ "آخر ولمیں اُس کے راز سے کیسے واقف ہو گیا جب کہ یہاں کے باشندے بھی اس کے متعلّق کچھ نہیں جانتے اور نہ کسی تاریخی کتاب ہی سے اس کے وجود پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ تو تم نے دیکھ ہی لیا کہ وہ آج کی کاریگری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اہرام اور ابوالہول سے بھی پہلے کی چیز ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ جرمن اُس کے اندر کس طرح پہنچ گئے۔ ولمیں کے ساتھیوں سے معلوم ہوا کہ ولمیں ہی نے اُس کا پتہ لگایا تھا لیکن وہ بھی نہیں بتا سکے کہ اسے اس کا حال کیسے معلوم ہوا تھا۔" حمید نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خاموشی سے کافی پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔

”خیر یہ سب سوچنے کے لیے زندگی پڑی ہے۔ یہ بتایئے کہ اب کیا پروگرام ہے۔“

”میں اب کُچھ آرام کرنا چاہتا ہوں۔ کیا ہمارا محکمہ اس خطرناک مہم کے بعد ہمیں سال دو سال کی چھٹّی بھی نہ دے گا؟ میں تمہیں سیاحت کے بہانے لایا تھا۔ لہٰذا سیاحت ہو گئی۔ اپنی رپورٹ اور چھٹی کی درخواست جلد ہی سفارت خانے کے سپرد کر کے ہم یورپ کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور پھر واپسی پر تمہاری شادی۔۔۔ کیا سمجھے!“

”اور اپنے متعلّق کیا کہتے ہیں؟“ حمید نے کہا۔

”کیا ایک دوست کی بیوی میرے لیے کافی نہ ہو گئی؟“ فریدی مُسکرایا۔

”فریدی! کافی ہاں۔۔۔ کافی۔۔۔ بوائے کافی اور لاؤ۔“ حمید چیخ کر بولا اور دانت نکال کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد